شرح القصيدة

يَا عَيْنَ فَيْضِ اللّٰهِ وَالْعِرْفَانِ

از قلم جلال الدین شمس

مبلغ بلاد عربیه و غربیه

شرح القصیدہ

یَا عَیۡنَ فَیۡضِ اللّٰہِ وَ الۡعِرۡفَانِ

از قلم جلال الدین شمسؔ

سابق مبلّغ بلادِ عربیّہ و غربیّہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ
اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِرُ

تمہید

دو روایتیں

یہ قصیدہ جس کی شرح لکھنے کا مَیں نے ارادہ کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' کے عربی حصے کے آخر میں مندرج ہے۔ جب مَیں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مَدَّظِلُّہُ الۡعَالِیۡ سے اس قصیدہ کی شرح لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے اس کے متعلق مجھے مندرجہ ذیل روایت سنائی:۔

''حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین رضی اللہ عنہ بیان فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قصیدہ ''یَا عَیۡنَ فَیۡضِ اللّٰہِ وَ الۡعِرۡفَانِ'' کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اس قصیدہ کو حفظ کرے گا اس کے حافظہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت دی جائے گی''

اسی قصیدہ کے متعلق ایک اور روایت مرحوم و مغفور حضرت پیر سراج الحق رضی اللہ عنہ کی ہے کہ:۔

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب یہ قصیدہ تصنیف فرما چکے تو آپؑ

کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا کہ یہ قصیدہ جنابِ الٰہی میں قبول ہو گیا اور خدا نے مجھ سے فرمایا کہ جو اس قصیدہ کو حفظ کرے گا اور ہمیشہ پڑھے گا مَیں اس کے دل میں اپنی اور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کُوٹ کُوٹ کر بھر دوں گا اور اپنا قُرب عطا کروں گا۔‘‘

میرے دل میں اس مبارک قصیدہ کی شرح لکھنے کا شوق تو اب سے تقریباً تیس سال پہلے پیدا ہوا تھا لیکن میں اس طویل عرصہ میں اپنے اس شوق کو پورا کرنے کی ابتدا بھی نہ کر سکا۔ گزشتہ سال ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ارادہ کیا اور مشکل الفاظ کے معانی بھی نوٹ کئے لیکن شرح شروع کرنے کی نوبت پھر بھی نہ آئی۔ اِس سال ماہِ فروری میں بعارضہ پلورسی اور ذیابیطس بیمار ہو گیا اور سوا دو مہینے تک میو ہسپتال لاہور میں زیرِ علاج رہ کر طبّی مشورہ کے مطابق موسم گرما گزارنے کے لئے کوئٹہ میں آ گیا۔ یہاں مَیں نے آج (۲۹ /جون ۱۹۵۶ء مطابق ۱۹/ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ) بروز جمعۃ المبارک دو رکعت نفل اور نماز عصر ادا کرنے کے بعد اپنے آقا و مولیٰ سیّد المرسلین خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ستّر مرتبہ درود پڑھ کر اس قصیدہ کی شرح لکھنے کی نیّت سے یہ الفاظ بطور تمہید سپردِ قلم کئے ہیں اور یہ عزم کیا ہے کہ اس قصیدۂ انیقہ کی شرح لکھنے سے پہلے دو رکعت نفل اور ستّر مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج لیا کروں۔

میں اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و الحاح سے دعا کرتا ہوں کہ اے مولیٰ! جس طرح تو نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصیدہ لکھنے پر حضرت علّامہ محمد البوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک لمبی بیماری سے شفا عطا فرمائی تھی اسی طرح اس

عاجز کو بھی اس مبارک قصیدہ کی شرح لکھنے پر جو تیرے پیارے نبی سیدنا وشفیعنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں حضورؑ کے ایک عاشقِ صادق نے لکھا تھا لمبی بیماری سے کامل شفا بخش اور خدمتِ اسلام کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرما کہ حقیقی شفا اور کام کی توفیق بخشنا تیرے ہاں تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اللّٰھُمَّ آمِین۔

اب ذیل میں پہلے پورا قصیدہ مع ترجمہ لکھا جاتا ہے پھر اس کی شرح۔

وَ مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

خاکسار

جلال الدین شمسؔ

(کوٹھی مکرم جناب شیخ کریم بخش صاحب چھاؤنی کوئٹہ)

نوٹ: اس شرح میں جہاں جہاں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے اپنے الفاظ میں ملخّص پیش کیا ہے وہاں حضورؑ کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ مگر جہاں پوری عبارت نقل کی ہے وہاں حوالہ دے دیا ہے۔ تاریخی واقعات زیادہ تر میں نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کتاب ''نبیوں کا سردار'' سے لئے ہیں۔ مشکل الفاظ کے معانی لکھتے وقت جہاں میں نے لغت کی کتاب کا نام نہیں لکھا وہ سب ''منجد'' سے ماخوذ ہیں۔ شمسؔ

القصیدۃ

عنوان بالا کے تحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قصیدہ رقم فرمانے سے پہلے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے:۔

"هٰذِهِ الْقَصِيْدَةُ اَنِيْقَةٌ [۱] رَشِيْقَةٌ [۲] مَمْلُوَّةٌ مِّنَ اللَّطَائِفِ الْاَدَبِيَّةِ وَ الْفَرَائِدِ [۳] الْعَرَبِيَّةِ فِيْ مَدْحِ سَيِّدِ الثَّقْلَيْنِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ الَّذِيْ وَصَفَهُ اللّٰهُ فِي الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ وَلَيْسَتْ هٰذِهِ مِنْ قَرِيْحَتِيْ [۴] الْجَامِدَةِ [۵] وَ فِطْنَتِي [۶] الْخَامِدَ ةِ [۷]۔ وَمَا

---

۱ عمدہ۔ پسندیدہ ۲ رِشِيْقُ الْقَدِّ ۔جس کا قد نہایت عمدہ اور لطیف ہو اور ہلکا پھلکا ہو۔ اَلرَّشِيْقُ مِنَ اللَّفْظِ اَ وِ الْخَطِّ: اَلظَّرِيْفُ ۔یعنی جب لفظ یا خط کے لئے رَشِيْق کا لفظ بولا جائے تو مراد خوبی اور عمدگی ہوتی ہے۔ ۳ اَلْفَرَائِدُ ، اَلْفَرِيْدُ کی جمع ہے جس کے معنے یکتا اور بے مثل کے ہیں۔ نیز موتی اور نفیس جوہر کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلْفَرِيْدَةُ واحد مؤنث ہے جس کے معنے نفیس جوہر کے ہیں ۔ اس کی جمع بھی اَلْفَرَائِدُ ہے۔ ۴ اَلْقَرِيْحَةُ ۔طبیعت ،شاعر اور کاتب کی قَرِيْحَة سے مراد عمدہ نظم ونثر لکھنے کا ملکہ ہے اس کی جمع قَرَائِحُ ہے۔ ۵ جَامِدَةٌ ۔خشک ،غیر متحرک۔ کہتے ہیں جَمَدَتِ الدَّمُ اَيْ يَبِسَتْ یعنی خون خشک ہو گیا۔ اور جَمَدَ الْمَاءُ: قَامَ یعنی پانی جم گیا اور ایک جگہ ٹھہر گیا ۶ اَلْفِطْنَةُ ۔فہم ، ذہانت وطباعی، دانائی ،عقلمندی۔ اس کی جمع فِطَنٌ ہے۔ ۷ اَلْخَامِدَةُ۔ خَمَدَتِ النَّارُ اس وقت کہتے ہیں جب آگ میں شعلہ نہ رہے لیکن انگارہ ابھی بجھا نہ ہو۔ خَمَدَتِ الْحُمّٰى اس وقت کہتے ہیں جب بخار کی تیزی اور جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔

کَانَتْ رَوِیَّتِی[۱] النَّاضِبَۃُ[۲] ضَلِیْعَ[۳] ھٰذَا الْمِضْمَارِ[۴]۔ وَمَنْبَعَ تِلْکَ الْاَسْرَارِ۔ بَلْ کُلَّمَا قُلْتُ فَھُوَ مِنْ رَّبِّیَ الَّذِیْ ھُوَ قَرِیْنِیْ و مُؤَیِّدِیَ الَّذِیْ ھُوَ مَعِیَ فِیْ کُلِّ حِیْنِیْ۔ اَلَّذِیْ یُطْعِمُنِیْ و یَسْقِیْنِیْ وَ اِذَا ضَلَلْتُ فَھُوَ یَھْدِیْنِیْ وَ اِذَامَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِیْ مَا کَسَبْتُ شَیْئًا مِنْ مُلَحِ[۵] الْاَدَبِ وَ نَوَادِرِہٖ[۶] وَ لٰکِنْ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ غَالِباً عَلٰی قَادِرِہٖ۔ وَ ھٰذِہٖ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّیْ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔ وَ اِنِّیْ اَظْھَرْتُھَا وَ بَیَّنْتُھَا لَعَلِّیْ اُجْزٰی جَزَآءَ الشَّاکِرِیْنَ۔ وَلَا اُلْحَقُ بِالَّذِیْنَ لَا یَشْکُرُوْنَ۔ ''

(آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۹۰)

ترجمہ۔ یہ ایک عمدہ اور لطیف قصیدہ ہے جو ادبی لطائف اور عربی زبان کے نفیس جواہر ریزوں سے پُر ہے اور میرے آقا اور سردار دو جہان حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا گیا ہے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کتابِ مبین میں بیان فرمائی ہے اے اللہ! اِن پر قیامت تک تیری رحمت اور سلامتی نازل ہو۔ اور یہ قصیدہ میری رُکی ہوئی طبیعت اور بُجھی ہوئی ذہانت و فطانت کا رہینِ منت نہیں اور نہ میرا خشک ملکہ غور وخوض

---

۱ اَلرَّوِیَّۃُ اَلرَّوِیُّ کی مؤنث ہے۔ باتوں میں غور وخوض کرنے کی قوت۔ ۲ اَلنَّاضِبُ خشک غَدِیْرٌ نَاضِبٌ۔ وہ تالاب جس میں پانی نہ رہے۔ اس کی جمع نُضُبٌ ہے۔ ۳ اَلضَّلِیْعُ۔ قوی، مضبوط پسلیوں والا۔ اس کی جمع ضُلُعٌ ہے۔ ۴ اَلْمِضْمَارُ۔ گھوڑ دوڑ کے لئے کھلی وسیع جگہ۔ وہ مقام جہاں گھوڑے سدھائے جاتے ہیں۔ میدان۔ ۵ اَلْمُلَحُ۔ عمدہ اور لذیذ باتیں۔ اس کی واحد مُلْحَۃٌ ہے۔ ۶ اَلنَّوَادِرُ۔ اس کا واحد نَادِرٌ اور نَادِرَۃٌ ہے۔ اَلنَّادِرُ مِنَ الْکَلِمِ: کمیاب کلمات جو شاذ اور خلافِ قیاس ہوں۔ نَوَادِرُ الْکَلَامِ سے مراد وہ عجیب وغریب کلام ہے جو فصیح ہو اور اپنے اندر جدّت رکھے۔ کہتے ہیں ھُوَ نَادِرَۃُ الزَّمَانِ اَیْ وَحِیْدُ عَصْرِہٖ۔ یعنی وہ یکتائے روزگار ہے۔

اس میدان کا مرد اور ان اسرار کا منبع ہے۔ بلکہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ میرے رب کی طرف سے ہے جو میرا رفیق ہے۔ اور ایسا مؤید ہے جو ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ اور جب میں غلطی کرتا یا راستہ سے بھٹک جاتا ہوں تو وہ میری راہنمائی فرماتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ میں نے ادب کے عمدہ اور دلچسپ کلمات اور اس کے عجیب وغریب اور فصیح الفاظ جن میں جدّت اور نُدرت پائی جاتی ہے بزورِ محنت حاصل نہیں کئے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے قادر الکلام ادیبوں پر غلبہ بخشا ہے۔ اور میرے رب کی طرف سے اہلِ علم لوگوں کے لئے ایک نشان ہے۔ اور میں نے اس امر کا اظہار صرف اس نیت سے کیا ہے تا شکر کرنے والوں کی طرح مجھے بدلہ دیا جائے اور ان لوگوں میں میرا شمار نہ ہو جو ناشکر گزار ہیں۔

ابیاتِ قصیدہ مع ترجمہ

۱۔ یَا عَیْنَ فَیْضِ اللّٰهِ وَ الْعِرْفَانِ

اے اللہ تعالیٰ کے فیض اور عرفان کے چشمے

یَسْعٰی اِلَیْكَ الْخَلْقُ کَالظَّمْاٰنِ

لوگ سخت پیاسوں کی طرح تیری طرف دوڑتے ہیں

۲۔ یَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَّانِ

اے انعام دینے اور احسان فرمانے والے خدا کے فضل کے سمندر

تَهْوِیْ اِلَیْكَ الزُّمَرُ بِالْکِیْزَانِ

لوگ فوج درفوج کوزے لئے تیری طرف تیزی سے آرہے ہیں

۳۔ یَا شَمْسَ مُلْكِ الْحُسْنِ وَ الْاِحْسَانِ

اے ملکِ حُسن و احسان کے آفتاب

نَوَّرْتَ وَجْهَ الْبَرِّ وَ الْعُمْرَانِ

تو نے بیابانوں، صحراؤں اور آبادیوں کو منوّر کر دیا ہے

۴- قَوْمٌ رَأَوْكَ وَ اُمَّةٌ قَدْ اُخْبِرَتْ
ایک قوم تیرے دیدار سے مشرف ہوئی اور ایک جماعت نے

مِنْ ذٰلِكَ الْبَدْرِ الَّذِیْ أَصْبَانِیْ
اُس بدر کی خبر سنی جس نے مجھے اپنا فریفتہ اور شیدا بنا لیا ہے

۵- یَبْکُوْنَ مِنْ ذِکْرِ الْجَمَالِ صَبَابَةً
وہ تیرے جمال کی یاد میں بوجہ شوق و محبت کے روتے ہیں

وَ تَأَلُّمًا مِنْ لَّوْعَةِ الْهِجْرَانِ
اور جُدائی کی جلن اور فراق کی سوزش سے اُن کے آنسو بہتے ہیں

۶- وَ أَرَی الْقُلُوْبَ لَدَی الْحَنَاجِرِ کُرْبَةً
اور میں دیکھتا ہوں کہ دل بے قراری سے گلے تک آ گئے ہیں

وَ أَرَی الْغُرُوْبَ تُسِیْلُهَا الْعَیْنَانِ
اور میں آنسو دیکھتا ہوں جو آنکھیں بہا رہی ہیں

۷- یَا مَنْ غَدَا فِیْ نُوْرِهٖ وَ ضِیَائِهٖ
اے وہ جو اپنے نور اور روشنی میں

کَالنَّیِّرَیْنِ وَ نَوَّرَ الْمَلَوَانِ
مہر و ماہ کی طرح ہو گیا ہے اور اس کے نور سے رات دن منور ہو گئے ہیں

۸- يَا بَدْرَنَا يَا اٰيَةَ الرَّحْمٰنِ

اے ہمارے چودھویں کے چاند اور اے خدائے رحمان کے نشان

اَهْدَى الْهُدَاةِ وَ اَشْجَعَ الشُّجْعَانِ

اے سب ہادیوں سے بڑے ہادی اور سب بہادروں سے بڑے بہادر

۹- اِنِّیْ اَرٰی فِیْ وَجْهِكَ الْمُتَهَلِّلِ

میں تیرے خنداں و درخشاں چہرے میں ایک ایسی

شَأْنًا يَّفُوْقُ شَمَائِلَ الْاِنْسَانِ

شان دیکھتا ہوں جو انسانی شمائل پر فوقیت رکھتی ہے

۱۰- وَ قَدِ اقْتَفَاكَ أُولُو النُّهٰى وَ بِصِدْقِهِمْ

دانشمندوں نے تجھے چُن لیا اور تیری پیروی کی اور اپنے صدق کی وجہ سے

وَ دَعُوْا تَذَكُّرَ مَعْهَدِ الْاَوْطَانِ

انہوں نے اپنے وطنوں کی یادگاروں کی یاد بھی ترک کر دی

۱۱- قَدْ اٰثَرُوْكَ وَ فَارَقُوْا اَحْبَابَهُمْ

انہوں نے تجھے اختیار کیا اور اپنے دوستوں سے جُدا ہو گئے

وَ تَبَاعَدُوْا مِنْ حَلْقَةِ الْاِخْوَانِ

اور اپنے بھائیوں کے دائرہ سے دوری اختیار کر لی

۱۲- قَدْ وَدَّعُوا اَهْوَآءَهُمْ وَ نُفُوْسَهُمْ

انہوں نے اپنی خواہشوں اور نفسوں کو الوداع کہہ دیا

وَ تَبَرَّءُوْا مِنْ کُلِّ نَشْبٍ فَانٍ

اور ہر قسم کے فانی مال و منال سے بیزار ہو گئے

۱۳- ظَهَرَتْ عَلَیْهِمْ بَیِّنَاتُ رَسُوْلِهِمْ

جب رسول کریمؐ کے واضح اور روشن دلائل اُن پر ظاہر ہوئے

فَتَمَزَّقَ الْاَهْوَآءُ کَالْاَوْثَانِ

تو اُن کی نفسانی خواہشیں بتوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں

۱۴- فِیْ وَقْتِ تَرْوِیْقِ اللَّیَالِیْ نُوِّرُوْا

وہ راتوں کی تاریکی و ظلمت کے وقت منوّر ہوئے

وَاللّٰهُ نَجَّاهُمْ مِّنَ الطُّوْفَانِ

اور اللہ تعالیٰ نے ان کو طوفانِ ظلمت و ضلالت سے بچا لیا

۱۵- قَدْ هَاضَهُمْ ظُلْمُ الْاُنَاسِ وَ ضَیْمُهُمْ

مخالف جماعتوں کے ظلم و ستم نے اُنہیں پیس ڈالنے کی کوشش کی

فَتَثَبَّتُوْا بِعِنَایَةِ الْمَنَّانِ

مگر وہ خدائے محسن کی عنایت سے ثابت قدم رہے

۱۶- ذَهَبَ اللِّئَامُ نُشُوبَهُمْ وَ عَقَارَهُمْ
ذلیل اور کمینہ اوباشوں نے ان کے مال اور ان کی جائداد لُوٹ لی

فَتَهَلَّلُوْا بِجَوَاهِرِ الْفُرْقَانِ
لیکن فرقان کے موتیوں سے اُن کے چہرے چمک اُٹھے

۱۷- كَسَحُوْا بُيُوْتَ نُفُوْسِهِمْ وَ تَبَادَرُوْا
اُنہوں نے اپنے نفسوں کے گھروں کو خوب صاف کیا

لِتَمَتُّعِ الْاِيْقَانِ وَ الْاِيْمَانِ
اور یقین اور ایمان کی دولت لینے کو جلد آگے بڑھے

۱۸- قَامُوْا بِاِقْدَامِ الرَّسُوْلِ بِغَزْوِهِمْ
وہ رسول کریمؐ کے حکم ''آگے بڑھو'' پر میدانِ جنگ میں

كَالْعَاشِقِ الْمَشْغُوْفِ فِي الْمَيْدَانِ
ایک عاشقِ صادق کی طرح ڈٹ گئے

۱۹- فَدَمُ الرِّجَالِ لِصِدْقِهِمْ فِيْ حُبِّهِمْ
سو اُن جوانمردوں کے خون اُن کی خلوصِ محبت کے باعث

تَحْتَ السُّيُوْفِ اُرِيْقَ كَالْقُرْبَانِ
تلواروں کے نیچے قربانیوں کی طرح بہائے گئے

۲۰- جَاءُوكَ مَنْهُوبِيْنَ كَالْعُرْيَانِ

وہ تیرے پاس لُٹے پُٹے مانندِ برہنہ آئے

فَسَتَرْتَهُمْ بِمَلَاحِفِ الْإِيْمَانِ

پس تُو نے انہیں ایمان کی چادریں اوڑھا دیں

۲۱- صَادَفْتَهُمْ قَوْمًا كَرَوْثٍ ذِلَّةً

تُو نے اُنہیں گوبر کی طرح ذلیل قوم پایا

فَجَعَلْتَهُمْ كَسَبِيْكَةِ الْعِقْيَانِ

پھر تو نے اُنہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنا دیا

۲۲- حَتّٰى انْثَنٰى بَرٌّ كَمِثْلِ حَدِيْقَةٍ

یہاں تک کہ عرب کا خشک ملک اُس باغ کی مانند ہو گیا

عَذْبِ الْمَوَارِدِ مُثْمِرِ الْاَغْصَانِ

جس کے چشمے خوشگوار و شیریں اور جس کے درختوں کی ڈالیاں پھلوں سے لدی ہوں

۲۳- عَادَتْ بِلَادُ الْعُرْبِ نَحْوَ نَضَارَةٍ

عرب کے شہروں میں پھر رونق اور تر و تازگی آگئی

بَعْدَ الْوَجٰى وَ الْمَحْلِ وَ الْخُسْرَانِ

خستہ حالی ، خشکی ، قحط اور تباہی کے بعد

۲۴- كَانَ الْحِجَازُ مَغَازِلَ الْغِزْلَانِ
اہلِ حجاز جو خوبصورت عورتوں سے عشق بازی میں محو تھے
فَجَعَلْتَهُمْ فَانِيْنَ فِي الرَّحْمَانِ
لیکن تو نے اُنہیں فانی فی اللہ بنا دیا

۲۵- شَيْئَانِ كَانَ الْقَوْمُ عُمْيًا فِيْهِمَا
دو باتیں تھی جن میں عرب قوم اندھی ہو رہی تھی
حَسْوُ الْعُقَارِ وَ كَثْرَةُ النِّسْوَانِ
مزے لے لے کر شراب نوشی اور عورتوں کی زیادت

۲۶- اَمَّا النِّسَآءُ فَحُرِّمَتْ اِنْكَاحُهَا
عورتوں کا پُوچھو تو اُن کی نسبت یہ حکم ہوا کہ اُن کا نکاح
زَوْجًا لَهُ التَّحْرِيْمُ فِي الْقُرْاٰنِ
اُن مردوں سے حرام کر دیا گیا ہے جن کی حرمت قرآن میں آ گئی

۲۷- وَ جَعَلْتَ دَسْكَرَةَ الْمُدَامِ مُخَرَّبًا
اور تُو نے شراب خانے ویران کر دیئے
وَ أَذَلْتَ حَانَتَهَا مِنَ الْبُلْدَانِ
اور شراب کی دوکانیں شہروں سے ہٹا دیں

۲۸- كَمْ شَارِبٍ بِالرَّشْفِ دَنًّا طَافِحًا

بہت تھے جو خُم کے خُم پی جاتے تھے

فَجَعَلْتَهٗ فِي الدِّيْنِ كَالنَّشْوَانِ

لیکن تو نے ان کو دین کا متوالا بنا دیا

۲۹- كَمْ مُحْدِثٍ مُّسْتَنْطِقِ الْعِيْدَانِ

کتنے بدعتی عود بجانے والے تھے

قَدْ صَارَ مِنْكَ مُحَدَّثَ الرَّحْمٰنِ

جو تیرے طفیل خدائے رحمان سے ہمکلام ہوئے

۳۰- كَمْ مُسْتَهَامٍ لِّلرَّشُوْفِ تَعَشُّقًا

بہت تھے جو معطّر دہن عورتوں کے عشق میں سرگرداں تھے

فَجَذَبْتَهُمْ جَذْبًا اِلَى الْفُرْقَانِ

پھر تُو نے اُنہیں فرقان کی طرف کھینچ لیا

۳۱- اَحْيَيْتَ اَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَةٍ

تُو نے صدیوں کے مُردے ایک جلوہ سے زندہ کر دیئے

مَاذَا يُمَاثِلُكَ بِهٰذَا الشَّانِ

کون ہے جو اس شان میں تیرا نظیر ہو سکے

۳۲- تَرَكُوا الْغَبُوقَ وَ بَدَّلُوا مِنْ ذَوْقِهٖ
اُنہوں نے شام کی شراب چھوڑ دی اور اس کے ذوق کی جگہ
ذَوْقَ الدُّعَاءِ بِلَيْلَةِ الْاَحْزَانِ
غم کی راتوں میں دعا کی لذّت اختیار کی

۳۳- كَانُوْا بِرَنَّاتِ الْمَثَانِيْ قَبْلَهَا
اس سے پہلے وہ سرنگیوں اور دو تاروں کی سُروں اور نغموں
قَدْ اُحْصِرُوْا فِيْ شُحِّهَا كَالْعَانِيْ
اور رُوں رُوں کی آوازوں کی حرص میں قیدی کی طرح محبوس یا گرفتار تھے

۳۴- قَدْ كَانَ مَرْتَعُهُمْ اَغَانِيْ دَائِمًا
ان کی محفلیں اور مجلسیں ہمیشہ راگ و رنگ تھیں
طَوْرًا بِغِيْدٍ تَارَةً بِدِنَانٖ
کبھی نازک اندام عورتوں کے ساتھ دل لگی ہوتی اور کبھی مے کے خُم لُنڈھائے جاتے

۳۵- مَا كَانَ فِكْرٌ غَيْرَ فِكْرِ غَوَانِيْ
اُنہیں خوبصورت گانے والی عورتوں
اَوْ شُرْبِ رَاحٍ اَوْ خَيَالِ جِفَانٖ
یا شراب نوشی اور کاسہ ہائے شراب کے تصور کے سوا اور کوئی فکر نہ تھی

۳۶- كَانُوا كَمَشْغُوفِ الْفَسَادِ بِجَهْلِهِمْ
وہ اپنی بیوقوفی سے فساد کے شیفتہ تھے
رَاضِيْنَ بِالْأَوْسَاخِ وَ الْأَدْرَانِ
مَیل کچیل اور ناپاکی پر خوش تھے

۳۷- عَيْبَانِ كَانَ شِعَارَهُمْ مِنْ جَهْلِهِمْ
جہالت سے دو عیب اُن کے شاملِ حال تھے
حُمْقُ الْحِمَارِ وَ وَثْبَةُ السِّرْحَانِ
اَڑ گدھے کی اور حملہ بھیڑیئے کا

۳۸- فَطَلَعْتَ يَا شَمْسَ الْهُدٰى نُصْحًا لَّهُمْ
اتنے میں اے آفتابِ ہدایت ان کی خیر خواہی کے لئے تُو نے طلوع کیا
لِتُضِيْئَهُمْ مِنْ وَّجْهِكَ النُّوْرَانِيْ
تا کہ اپنے نورانی چہرے سے انہیں منوّر کرے

۳۹- أُرْسِلْتَ مِنْ رَّبٍّ كَرِيْمٍ مُّحْسِنٍ
تُو محسن ربّ کریم کی طرف سے
فِي الْفِتْنَةِ الصَّمَّاءِ وَالطُّغْيَانِ
خوفناک فتنے اور طغیانی کے وقت بھیجا گیا

۴۰- يَا لَلْفَتٰى مَا حُسْنُهٗ و جَمَالُهٗ
واہ کیا ہی صاحبِ حسن و جمال مرد ہے
رَيَّاهُ يُصْبِي الْقَلْبَ كَالرَّيْحَانِ
جس کی خُوشبو دل کو ریحان کی طرح شیفتہ کر لیتی ہے

۴۱- وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِيْ وَجْهِهٖ
اللہ تعالیٰ کا چہرہ اس کے چہرے میں نظر آتا ہے
وَشُئُوْنُهٗ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ
اور اس کے تمام حالات اُسی شان کے ساتھ چمکتے ہیں ۔

۴۲- فَلِذَا يُحَبُّ وَيَسْتَحِقُّ جَمَالُهٗ
اسی لئے تو وہ محبوب ہے اور اس کا جمال اس لائق ہے
شَغَفًا بِهٖ مِنْ زُمْرَةِ الْاَخْدَانِ
کہ دوستوں کی جماعت کو چھوڑ کر اس سے دل بستگی پیدا کی جائے

۴۳- سُجُحٌ كَرِيْمٌ بَاذِلٌ خِلُّ التُّقٰى
وہ خوش خلق ،معزّز ، صاحبِ جود و عطا ،تقویٰ دوست ہے
خِرْقٌ وَ فَاقَ طَوَائِفَ الْفِتْيَانِ
کریم اور سخی اور سب جوانوں پر فائق ہے ۔

۴۴- فَاقَ الْوَرٰی بِکَمَالِہٖ وَ جَمَالِہٖ

وہ سب مخلوقات سے اپنے کمال اور اپنے جمال

وَ جَلَالِہٖ وَ جَنَانِہِ الرَّیَّانِ

اور اپنے جلال اور اپنے شاداب دل کے ساتھ فوقیت لے گیا ہے

۴۵- لَا شَکَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَیْرُ الْوَرٰی

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مخلوقات

رِیْقُ الْکِرَامِ وَ نُخْبَۃُ الْاَعْیَانِ

اور صاحبِ کرم وعطا اور شرفاء لوگوں کی روح اور ان کی قوت اور چیدہ اعیان ہیں

۴۶- تَمَّتْ عَلَیْہِ صِفَاتُ کُلِّ مَزِیَّۃٍ

ہر قسم کی فضیلت کی صفات آپؐ میں علی الوجہ الاتم موجود ہیں

خُتِمَتْ بِہٖ نَعْمَآءُ کُلِّ زَمَانٍ

اور ہر زمانے کی نعمت آپؐ کی ذات پر ختم ہے ۔

۴۷- وَاللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا کَرِدَافَۃٍ

اللہ تعالیٰ کی قسم یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت خلیفۃ اللہ کی ہے

وَ بِہِ الْوُصُوْلُ بِسُدَّۃِ السُّلْطَانِ

اور آپؐ ہی کے ذریعہ دربارِ شاہی تک رسائی ہوسکتی ہے ۔

۴۸- هُوَ فَخْرُ كُلِّ مُطَهَّرٍ وَّ مُقَدَّسٍ

آپؐ ہر مطہّر و مقدس کے لئے باعثِ فخر ہیں

وَ بِهٖ يُبَاهِي الْعَسْكَرُ الرُّوْحَانِيْ

اور روحانی لشکر آپؐ ہی کے وجودِ باجود پر مفتخر و نازاں ہے۔

۴۹- هُوَ خَيْرُ كُلِّ مُقَرَّبٍ مُتَقَدَّمٍ

آپؐ ہر پہلے مقرّب سے افضل ہیں

وَ الْفَضْلُ بِالْخَيْرَاتِ لَا بِزَمَانٍ

اور فضیلت کارہائے خیر پر موقوف ہے نہ کہ زمانہ پر۔

۵۰- وَ الطَّلُّ قَدْ يَبْدُوْ اَمَامَ الْوَابِلِ

اور ہلکی ہلکی بارش (پھوار) موسلا دھار بارش سے پہلے ہوتی ہے

فَالطَّلُّ طَلٌّ لَيْسَ كَالتَّهْتَانِ

لیکن ہلکی بارش اور موسلا دھار میں بہت بڑا فرق ہے۔

۵۱- بَطَلٌ وَحِيْدٌ لَا تَطِيْشُ سِهَامُهٗ

آپؐ ہی ایک پہلوان ہیں جس کے تیر کبھی خطا نہیں جاتے

ذُوْ مُصْمِيَاتٍ مُوْبِقُ الشَّيْطٰنِ

آپؐ کبھی نشانہ خطا نہ کرنے والے مہلک تیروں کے مالک اور شیطان کے ہلاک کنندہ ہیں

۵۲- هُوَ جَنَّةٌ اِنِّیْ اَرٰی اَثْمَارَہٗ
آپؐ ایک باغ ہیں مَیں دیکھتا ہوں کہ اس کے پھل

وَ قُطُوْفَهٗ قَدْ ذُلِّلَتْ لِجَنَانِیْ
اوراس کے خوشے جھکا کر میرے دل کے قریب کئے گئے ہیں۔

۵۳- اَلْفَيْتُهٗ بَحْرَ الْحَقَائِقِ وَ الْهُدٰی
مَیں نے آپؐ کو حقائق اور ہدایت کا سمندر پایا

وَ رَاَيْتُهٗ كَالدُّرِّ فِي اللَّمَعَانِ
اور آب و تاب میں آپؐ کو موتی کی مانند دیکھا۔

۵۴- قَدْ مَاتَ عِيْسٰى مُطْرِقًا وَّ نَبِيُّنَا
حضرت عیسیٰؑ تو چُپ چاپ سر جھکائے وفات پا گئے اور ہمارے نبیؐ

حَیٌّ وَ رَبِّیْ اِنَّهٗ وَافَانِیْ
زندہ ہیں اور بخدا وہ مجھ سے ملے بھی ہیں ۔

۵۵- وَاللّٰهِ اِنِّیْ قَدْ رَاَيْتُ جَمَالَهٗ
اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آپؐ کا جمال دیکھا ہے

بِعُيُوْنِ جِسْمِیْ قَاعِدًا بِمَكَانِیْ
اپنی جسمانی آنکھوں سے اپنے مکان میں بیٹھے ۔

۵۶- هَا اِنْ تَظَنَّیْتَ ابْنَ مَرْیَمَ عَائِشًا

دیکھو اگر تم بھی ابنِ مریمؑ کو زندہ خیال کرتے ہو

فَعَلَیْكَ اِثْبَاتًا مِّنَ الْبُرْهَانِ

تو دلیل سے ثابت کرنا تمہارا فرض ہے ۔

۵۷- أَفَاَنْتَ لَاقَیْتَ الْمَسِیْحَ بِیَقْظَةٍ

کیا تم بھی بیداری میں حضرت مسیحؑ سے ملے ہو ؟

اَوْ جَاءَكَ الْاَنْبَاءُ مِنْ یَقْظَانِ

یا کسی جیتے جاگتے نے تمہیں خبر دی ہے کہ وہ زندہ ہیں ؟

۵۸- اُنْظُرْ اِلَی الْقُرْاٰنِ کَیْفَ یُبَیِّنُ

قرآن کو دیکھو کہ وہ اُن کی وفات کیسے واضح طور پر بیان کرتا ہے

أَ فَاَنْتَ تُعْرِضُ عَنْ هُدَی الرَّحْمٰنِ

کیا تم رحمان کی ہدایت سے منہ پھیرتے ہو ؟

۵۹- فَاعْلَمْ بِاَنَّ الْعَیْشَ لَیْسَ بِثَابِتٍ

جان لو کہ (کسی کی) زندگی قائم و دائم نہیں ۔

بَلْ مَاتَ عِیْسٰی مِثْلَ عَبْدٍ فَانٍ

بلکہ عیسیٰؑ بھی ایک فانی بندے کی طرح فوت ہو چکے ہیں

۶۰- وَ نَبِیُّنَا حَیٌّ وَ اِنِّیْ شَاهِدٌ
اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور مَیں گواہ ہوں

وَ قَدِاقْتَطَفْتُ قَطَائِفَ اللُّقْیَانِ
اور مَیں آپؐ کی ملاقات کے ثمرات سے بہرہ مند ہوا ہوں۔

۶۱- وَ رَأَیْتُ فِیْ رَیْعَانِ عُمْرِیْ وَجْهَهٗ
اور مَیں نے آغازِ جوانی میں آپؐ کا روئے مبارک دیکھا

ثُمَّ النَّبِیُّ بِیَقْظَتِیْ لَاقَانِیْ
پھر آپؐ نے عین بیداری کی حالت میں مجھے شرفِ ملاقات بخشا

۶۲- اِنِّیْ لَقَدْ اُحْیِیْتُ مِنْ اِحْیَآئِهٖ
یقیناً مَیں آپؐ کے زندہ کرنے سے زندہ ہوا ہوں

وَاهًا لِّاِعْجَازٍ فَمَا اَحْیَانِیْ
سبحان اللہ! کیا اعجاز ہے اور مجھے کیا خوب زندہ کیا ہے

۶۳- یَا رَبِّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّكَ دَائِمًا
اے میرے رب اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیج

فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا وَ بَعْثٍ ثَانٖ
اِس دنیا میں بھی اور دوسرے عاَلَم میں بھی

۶۴- يَا سَيِّدِىْ قَدْ جِئْتُ بَا بَكَ لَاهِفًا

اے میرے آقا میں مظلوم ومضطر ہونے کی حالت میں فریادی بن کر تیرے دروازے پر حاضر ہوا ہوں

وَ الْقَوْمُ بِالْاِكْفَارِ قَدْ اٰذَانِىْ

بحالیکہ قوم نے مجھے کافر کہہ کر سخت ایذا دی ہے ۔

۶۵- يَفْرِىْ سِهَامُكَ قَلْبَ كُلِّ مُحَارِبٍ

تیرے تیر ہر محارب کے دل کو چیرتے ہیں

وَ يَشُجُّ عَزْمُكَ هَامَةَ الثُّعْبَانِ

اور تیرا عزم اژدہے کے سر کو کچل ڈالتا ہے

۶۶- لِلّٰهِ دَرُّكَ يَا اِمَامَ الْعَالَمِ

آفرین اے مقتدائے عالم !

اَنْتَ السَّبُوْقُ وَ سَيِّدُ الشُّجْعَانِ

تُو سب سے آگے بڑھا ہوا ہے اور تمام بہادروں کا سردار ہے

۶۷- اُنْظُرْ اِلَيَّ بِرَحْمَةٍ وَّ تَحَنُّنٍ

مجھ پر رحم اور شفقت کی نظر کرنا

يَا سَيِّدِىْ اَنَا اَحْقَرُ الْغِلْمَانِ

اے میرے آقا میں ایک ناچیز غلام ہوں

۶۸- يَا حِبِّ اِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّةً
اے میرے پیارے تیری محبت میرے

فِيْ مُهْجَتِيْ وَ مَدَارِكِيْ وَ جَنَانِيْ
خون، میری جان، میرے حواس اور میرے دل میں رچ گئی ہے

۶۹- مِنْ ذِكْرِ وَجْهِكَ يَا حَدِيْقَةَ بَهْجَتِيْ
اے میری مسرّت کے باغ تیرے منہ کی یاد سے

لَمْ اَخْلُ فِيْ لَحْظٍ وَّ لَا فِيْ اٰنِ
مَیں ایک آن اور ایک لحظہ بھی خالی نہیں ہوتا ۔

۷۰- جِسْمِيْ يَطِيْرُ اِلَيْكَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا
میرا جسم شوق غالب کے سبب تیری طرف اُڑا جاتا ہے

يَا لَيْتَ كَانَتْ قُوَّةُ الطَّيَرَانِ
اے کاش ! مجھ میں قوّتِ پرواز ہوتی ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرحُ القصیدہ

محبُوب اپنے مُحِبّ کی نظر میں

حضرت مصنّف قصیدہ اپنے ممدوح سید الاوّلین والآخرین، شفیع المذنبین، محبوبِ ربّ العالمین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عشق و محبت رکھتے تھے۔ آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یگانہ و منفرد ہے اسی طرح اس کے حبیب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے کمالات اور اپنی صفات کے لحاظ سے تمام بنی نوع میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ نہ آپؐ سے پہلے کوئی آپؐ کے مقامِ رفیع تک پہنچ سکا ہے، نہ آپؐ کے بعد اور نہ قیامت تک پہنچ سکے گا۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد آپؑ کو سب سے زیادہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے تھی۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمّرم
گر کفر اِیں بود بخدا سخت کافرم
ہر تار و پودِ من بسرائد بعشق اُو
از خود تہی و از غمِ آں دِلستاں پُرم

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۷۶ طبع اوّل۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۸۵)

’’یعنی اللہ تعالیٰ کے بعد مَیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہ کفر ہے تو اللہ تعالیٰ کی قسم میں سخت کافر ہوں۔

میرا ہر رگ و ریشہ اس کے عشق کے راگ گا رہا ہے، میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس محبوب کے غم سے پُر ہوں۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ آپؑ نے جس انداز میں اللہ تعالیٰ سے اپنے عشق و محبّت کا اظہار کیا ہے اُسی انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔ مثلاً آپؑ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں:

در کوئے تو اگر سرِ عشّاق را زنند
اوّل کسے کہ لافِ تعشق زند منم

(آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۵۸)

’’یعنی اگر تیرے کُوچے میں عاشقوں کے سر اُتارے جائیں، تو وہ پہلا شخص جو تیرے عشق کا نعرہ مارے گا وہ مَیں ہوں گا۔‘‘

اِسی طرح آپؑ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں فرماتے ہیں:

تیغ گر بارد بکوئے آن نگار
آن منم کاوّل کند جان را نثار

(سراج منیر روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۹۷)

’’یعنی اگر محبوب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی گلی میں تلوار چلے تو وہ مَیں ہوں جو سب سے پہلے اپنی جان قربان کرے گا۔‘‘

دوسروں پر محبت میں سبقت لے جانا

جب کسی محبوب سے محبت کرنے والے بہت سے ہوں، تو سب سے زیادہ محبت کرنے والے کا باقی محبت کرنے والوں سے جاں نثاری میں سبقت لے جانے کا جذبہ ایک قدرتی امر ہے۔ اسی جذبۂ محبت کی ترجمانی کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

منکہ مے بینم رُخِ آں دلبرے
جاں فشانم گر دہد دل دیگرے

(سراج منیر روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۹۷)

”یعنی میں اس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں، اگر کوئی اسے دل دے تو مَیں جاں نثار کردوں۔“

نیز فرماتے ہیں:

منکہ رہ بُردم بخوبی ہائے بے پایانِ تو
جان گدازم بہر تو گر دیگرے خدمت گزار

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۶)

”مَیں کہ (اے میرے محبوب) تیری بے انتہا خوبیوں سے آگاہی پا چکا ہوں۔ اگر دوسرا تیرا خدمت گزار ہے تو میں تیرے لئے جاں فدا کرنے والا ہوں۔“

ان اشعار میں آپؑ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ میرے محبوب سے جو محبت رکھنے والے ہیں ان میں سے کوئی مجھ پر سبقت نہیں لے جا سکتا۔

اپنے محبوب کے لئے غیرت دکھانا

اِسی وفورِ محبت کی وجہ سے آپ کو اپنے محبوب کی عزت وعظمت کے خلاف ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں تھا اور اس سے آپ کو دلخراش تکلیف اور رُوح فرسا اذیّت پہنچتی تھی۔ چنانچہ آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف کورچشم ودریدہ دہن پادریوں کی یاوہ سرائیوں اور ہرزہ درائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی قسم اگر میرے سب لڑکے، بچے اور پوتے میرے انصار اور خدّام میرے سامنے قتل کر دیئے جاتے اور میرے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جاتے اور میری آنکھوں کی پُتلیاں نکال دی جاتیں اور مَیں اپنی تمام مرادوں سے محروم کردیا جاتا تو یہ سب کچھ مجھ پر ان کے اس توہین آمیز استہزاء سے زیادہ شاق نہ گزرتا۔''

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۱۵ ترجمہ از عربی عبارت)

ایک دفعہ جب آپؑ لاہور میں تشریف فرما تھے، پنڈت لیکھرام نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سخت بدزبانی کر چکا تھا آپ کو سلام کہا مگر آپؑ نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر اُس نے دوبارہ سلام کیا لیکن آپؑ نے پھر بھی توجہ نہ فرمائی۔ اِس پر آپؑ کے ایک مرید نے عرض کیا کہ پنڈت لیکھرام سلام کہتا ہے۔ تو آپؑ نے فرمایا کہ وہ میرے آقا کو تو گالیاں دیتا ہے اور مجھے سلام کہتا ہے۔ آپؑ کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ جو شخص آپؑ کے محبوب آقا ﷺ کا بدگو ہے اس کو اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔

جوشِ عشق

آپؑ کی تحریروں کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے گویا آپؑ کے دل میں اپنے مطاع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کا ایک سمندر موجزن ہے۔اور جب اس میں جوش آتا ہے اور تلاطم کی صورت پیدا ہوتی ہے تو کوئی چیز اس کی بلند اور تیز موجوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔اشعارِ ذیل سے آپؑ کے جوشِ عشق و وفورِ محبت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

تا بمن نورِ رسول پاکؐ را بنمودہ اند
عشقِ او در دل ہمے جوشد چو آب از آبشار
آتشِ عشق از دمِ من ہمچو برقے مے جہد
یک طرف اے ہمدمانِ خام از گرد و جوار

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۷)

”یعنی جب سے مجھے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور دکھایا گیا ہے حضورؐ کا عشق میرے دل میں یوں جوش مارتا ہے جیسے آبشار سے پانی۔ آپؐ کے عشق کی آگ میرے سانس سے بجلی کی طرح نکلتی ہے۔اے خام طبع رفیقو! میرے آس پاس سے ہٹ جاؤ۔“

محبوب کے رنگ میں رنگین ہونا

پھر کمال محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی سے کامل محبت کرتا ہے وہ اس کے

انداز اور اس کے طور وطریق اور اس کے شمائل واخلاق کے رنگ سے رنگین ہوجاتا ہے اور جس قدر زیادہ محبت ہوتی ہے اسی قدر اپنے محبوب کی صفات کی طرف کھینچا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اُسی کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اور جب یہ کیفیت ہوجاتی ہے تو محبّ اور محبوب کے درمیان سے دوئی کا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے کہا ہے ۔

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

اسی طرح حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مقتضائے کمال محبّت رفعِ اثنینیت ست واتّحادِ محبّ ومحبوب''[۱]

یعنی کمال محبت کا مقتضا یہ ہے کہ محبّ اپنے محبوب کے رنگ میں رنگین ہوکر دوئی کو اُٹھا دیتا ہے اور محبّ ومحبوب آپس میں متّحد ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ محبوب سبحانی حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے متعلق فرماتے ہیں:۔

''هٰذَا وُجُوْدُ جَدِّیْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ لَا وُجُوْدَ عَبْدَ الْقَادِرِ''[۲]

یعنی یہ عبدالقادر کا وجود نہیں بلکہ یہ میرے جدِّ امجد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے۔

---

[۱] مکتوبات امام ربّانی جلد ۳ صفحہ ۱۵ مکتوب نمبر ۸۸ صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ در مطبع نامی گرامی منشی نول کشور واقع کانپور۔ [۲]۔ کتاب مناقب تاج الاولیاء مطبوعہ مصر صفحہ ۳۵

مؤلف گلدستۂ کرامت مفتی غلام سرور صاحب حضرت شیخ کا مندرجہ بالا ارشاد نقل کر کے لکھتے ہیں:

''اس کلام فیض التیام سے ثابت ہوا کہ غوث الاعظم کی ذات رسولؐ کی ذات میں فنا تھی اور آپ ذاتاً وصفاتاً وقولاً وفعلاً وحالاً وکمالاً فنافی الرسول تھے۔''

(گلدستۂ کرامت مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور)

حضرت احمد علیہ السلام مصنّف قصیدہ کو بھی اپنے محبوب حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی عشق اور کمال محبت کی وجہ سے مقامِ اتّحاد حاصل تھا۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں ؎

محوِ روئے او شدست ایں روئے من
بوئے او آید زبام و کوئے من
بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں
من ہمانم ، من ہمانم ، من ہماں
جانِ من از جانِ او یابد غذا
از گریبانم عیاں شد آں ذُکا
احمدؐ اندر جانِ احمد شد پدید
اسمِ من گردید آں اسمِ وحید

(سراج منیر روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۹۷)

یعنی یہ میرا چہرہ اس کے چہرہ میں محو اور گُم ہو گیا اور میرے مکان اور کُوچہ سے اس کی خوشبو آ رہی ہے۔

از بسکہ مَیں اس کے عشق میں غائب ہوں۔ مَیں وہی ہوں، مَیں وہی ہوں، مَیں وہی ہوں۔

میری روح اس کی رُوح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریبان سے وہی سورج نکل آیا ہے۔

احمدؐ کی جان کے اندر احمد ظاہر ہو گیا۔ اس لئے میرا وہی نام ہو گیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے۔

حیاتِ جاودانی

اس حالت میں عاشقِ صادق اور محبِّ کامل اپنے محبوب میں فنا ہو کر وہ زندگی پاتا ہے جو محبوب کو حاصل ہوتی ہے اور اس شعر کا مصداق بن جاتا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اور ایسے فنافی المحبوب کی محبت دائم و قائم رہتی ہے اور موت و فنا سے آزاد ہو جاتی ہے۔ مصنّفِ قصیدہ حضرت بانئ جماعت احمدیہ کو اپنے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ہی غیر فانی محبت تھی جو حضور کے اس شعر کی مصداق ہے۔

اِنِّیْ اَمُوْتُ وَ لَا تَمُوْتُ مَحَبَّتِیْ
یُدْرٰی بِذِکْرِکَ فِی التُّرَابِ نِدَائِیْ

یعنی اے میرے محبوب! اگرچہ مَیں وفات پا جاؤں گا لیکن میری محبّت ہمیشہ زندہ رہے گی اور اس پر کبھی موت وارد نہ ہوگی اور زمین میں پڑے ہوئے لوگوں کی جب آوازیں سنائی دیں گی تو میری آواز تیرے ذکر سے شناخت کی جائے گی۔ دوسرے لوگ تو اپنے اور دلبروں کا نام لے رہے ہوں گے لیکن میری زبان پر تیرا نام ہوگا اور وہ

اے میرے پیارے محمدؐ، اے میرے محبوب محمدؐ، اے میرے معشوق محمدؐ
کا نعرہ بلند کر رہی ہوگی۔‘‘

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی عَاشِقِہٖ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ۔

۱۔ يَا عَيْنَ فَيْضِ اللّٰهِ وَ الْعِرْفَانِ
يَسْعٰى اِلَيْكَ الْخَلْقُ كَالظَّمْاٰنِ

معانی الالفاظ۔ عَيْنٌ ۔اس لفظ کے عربی زبان میں قریباً ساٹھ معنے ہیں لیکن یہاں اس کے معنے بہنے والے چشمہ یا منبع کے ہیں اور اس کی جمع اَعْيُنٌ اور عُيُوْنٌ ہے اور اس کے ایک معنے ذَاتُ الشَّيْءِ و نَفْسُهٗ ہوتے ہیں۔

۱۔اس قصیدہ کی بحرالرجز ہے اوراس کا وزن مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مکرّر ہے۔ اس بحر کے مشہور چار عروض اور پانچ ضربیں ہیں۔ پہلے شعر میں عروض اوّل اورضرب مقطوع ہیں۔ مقطوع سے مراد یہ ہے کہ اس کا آخری حرف کاٹ دیا گیا ہے یعنی مُسْتَفْعِلُنْ کا نون گرادیا گیا ہے باقی مُسْتَفْعِلْ رہ گیا ہے۔ پھراسے مَفْعُوْلُنْ بنادیا گیا۔ پہلے شعر کی تقطیع یوں ہے:۔

يَا عَيْ نَفَيْ ضِلْ لَا هِ وَ لْ عِرْفَانِيْ يَسْعٰى اِلَيْ كَلْ خَلْ قُكَظْ ظَمْ اٰنِيْ
مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مَفْعُوْلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مُسْتَفْعِلُنْ مَفْعُوْلُنْ

اس قصیدہ کے ابیات کے عروض میں کبھی غبن واقع ہوکر مُسْتَفْعِلُنْ مَفَاعِلُنْ کی صورت میں تبدیل ہوگیا ہے اور کبھی زحاف طی واقع ہوکر مُسْتَفْعِلُنْ اور زحاف قطع داخل ہوکر مَفْعُوْلُنْ بن گیا ہے۔ وَ عَلٰى هٰذَا الْقِيَاس اور بعض موقعوں پر اسکان وتحریک اور بعض جگہ تخفیفِ حروف وحرکات سے بھی جنہیں شعرائے عرب نے جائز قرار دیا ہے، کام لیا گیا ہے۔ شعرائے عرب کے کلام میں ایسے تصرّفات بکثرت موجود ہیں۔ کبھی وہ متحرک کو ساکن کردیتے ہیں۔ جیسے شعر ؎

تَامَتْ فُؤَادَكَ لَوْ يَحْزُنْكَ مَا صَنَعَتْ
اِحْدٰى نِسَآءِ بَنِيْ ذُهْلِ ابْنِ شَيْبَانَا

یعنی بعینہٖ وہی چیز۔اس معنے کے لحاظ سے پہلے مصرعہ کا یہ ترجمہ ہوگا۔اے اللہ کے مجسّم فیض وعرفان۔

فَیۡضٌ : فَاضَ السَّیۡلُ فَیۡضًا اس وقت کہا جاتا ہے جب سیلاب کا پانی زیادہ ہوکر وادی کے کناروں پر سے بہہ پڑے۔ مَاءٌ فَیۡضٌ کے معنے ہیں بہت پانی۔اور اصطلاح میں فَیۡضُ اللهِ سے مراد وہ روحانی علوم اور ربّانی اسرار ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے فضل سے بکثرت عطا فرماتا ہے۔

بقیہ حاشیہ:اس میں یَحۡزُنۡ کا نون جو متحرک تھا ساکن کر دیا گیا ہے۔اسی طرح امرئ القیس کے شعر۔

فَالۡیَوۡمَ اَشۡرَبۡ غَیۡرَ مُسۡتَحۡقِبٍ   اِثۡمًا مِّنَ اللهِ وَ لَا وَاغِلٍ

میں اَشۡرَبۡ کی بَاء جو متحرک تھی ساکن کردی گئی ہے اور کبھی قافیہ کی موافقت کی خاطر متحرک کو ساکن کر دیتے ہیں۔جیسے مقامات ہمدانی کے مقالہ المغزلیّة میں اَلسَّبَلُ کی متحرک بَاء ساکن کی گئی ہے۔

حُلۡوٌ مَلِیۡحُ الشَّکۡلِ ضَاوٍ زَهِیۡدُ الۡاَکۡلِ
رَامٍ کَثِیۡرُ النَّبۡلِ خَوۡفُ اللِّحٰی وَ السَّبۡلِ

اور کبھی تخفیف کے لئے ایک حرف حذف کر دیا جاتا ہے۔جیسا کہ کعب بن زہیر کے شعر۔

فَمَا تَدُوۡمُ عَلٰی حَالٍ تَکُوۡنُ بِهَا   کَمَا تَلَوَّنُ فِیۡ اَثۡوَابِهَا الۡغُوۡلُ

میں تَتَلَوَّنُ کی تاء حذف کردی گئی ہے۔اور کبھی غیر منصرف کو منصرف کی طرح پڑھا جاتا ہے۔ جیسا کہ کعب بن زہیر کے شعر میں۔

تَخۡدِیۡ عَلٰی یَسَرَاتٍ وَ هِیَ لَاحِقَةٌ
ذَوَابِلٍ[1] مُسۡهُنِ الۡاَرۡضِ تَحۡلِیۡلُ

---

[1] ذَوَابِلٍ تنوین کے ساتھ باندھا گیا ہے۔(شمس)

یَسۡعٰی : سَعٰی ماضی سے مضارع کا صیغہ ہے جس کے معنے کوشش کرنے، چلنے اور دوڑنے کے ہیں۔ سَعٰی اِلَیۡہِ کے معنے ہیں قَصَدَہٗ اس کا قصد کیا۔

اَلۡخَلۡقُ : اَلنَّاسُ یعنی لوگ۔

اَلظَّمۡاٰنُ : مفرد ہے۔اس کی جمع ظِمَآءُ ہے۔ ظَمِیَٔ کے معنے ہیں اُسے سخت پیاس لگی۔ اَلظَّمۡاٰنُ سخت پیاسا۔ ظَمِیَٔ اِلَیۡہِ کے معنے ہیں اِشۡتَاقَ، اس کا مشتاق ہوا، اس کی طرف شوق کا اظہار کیا۔

ترجمہ۔ اس شعر کے اردو میں دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔

۱۔اے اللہ تعالیٰ کے فیض اور عرفان کے چشمے! لوگ سخت پیاسوں کی مانند تیرا قصد کر رہے ہیں۔

۲۔اے اللہ تعالیٰ کے مجسّم فیض و عرفان! لوگ تیری طرف مشتاق وار دوڑے آتے ہیں۔

شرح۔ اس شعر سے جو قصیدہ کا مطلع ہے مصنّفِ قصیدہ کا اپنے ممدوح سے کمال درجہ کا عشق ظاہر ہوتا ہے۔ اکثر شعراء کے قصائد کے ابتدائی اشعار میں تشبیب پائی جاتی ہے جس میں وہ اپنے محبوب کے متعلقات اور اس کی ظاہری صفات کا ذکر کرتے ہیں جو شاعر کے دل میں محبوب کی یاد پیدا کرتی اور اس کی آتشِ محبّت کو تیز کرتی ہیں۔ مثلاً امرئ القیس کے قصیدہ میمیہ کا مطلع یہ ہے ؎

قِفۡ بِالدِّیَارِ الَّتِیۡ لَمۡ یَعۡفُہَا الۡقِدَمُ
بَلٰی وَ غَیَّرَہَا الۡاَرۡوَاحُ وَ الدِّیَمُ

''اے امرئ القیس! تُو ان بستیوں میں جو محبوب کی بستیاں ہیں ذرا ٹھہر جا جنہیں زمانہ نے مٹایا تو نہیں البتہ ہواؤں اور بارش نے ان کی حالت تبدیل کر دی ہے۔''

اسی طرح کعب بن زہیر نے جو قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہا جو'' بَانَتْ سُعَادُ'' کے نام سے مشہور ہے اس میں انہوں نے پہلے سُعَاد کی جُدائی اور اس کی ظاہری خوبصورتی اور اس کے سفر اور سواریوں وغیرہ کے وصف بیان کر کے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔

اور علّامہ محمد البوصیری رحمہ اللہ کا مشہور قصیدہ ''بُردہ'' اِس طرح شروع ہوتا ہے ؎

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٖ مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰى مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمٖ
اَمْ هَبَّتِ الرِّيْحُ مِنْ تِلْقَاءِ كَاظِمَةٍ أَوْ أَوْمَضَ الْبَرْقُ فِي الظَّلْمَاءِ مِنْ اِضَمٖ

''کیا ذی سلم کے ہمسائیوں (یعنی اہلِ مدینہ) کی یاد سے تُو نے آنسوؤں کو جو تیری آنکھوں سے رواں ہیں خون سے ملا دیا ہے یا مدینہ منوّرہ کی طرف سے ہوا چلی ہے یا اندھیری رات میں اِضَم پہاڑ سے بجلی چمکی ہے جس نے تجھے محبوب کی یاد دلائی ہے۔''

لیکن مصنّف قصیدہ کی جذبِ محبت کا یہ عالَم ہے کہ گویا آپ کا محبوب ہر گھڑی آپؑ کے روبرو موجود ہے اور آپؑ بغیر تشبیب کے اُسے مخاطب کر کے اس کی مدح میں یُوں رطب اللّسان ہیں ؎

يَا عَيْنَ فَيْضِ اللّٰهِ وَ الْعِرْفَانِ

يَسْعٰى اِلَيْكَ الْخَلْقُ كَالظَّمْاٰنِ

اِس شعر میں جو قصیدہ کا مطلع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بے نظیر کمال کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جس طرح دنیا میں مصفّا پانی چشموں سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح فیضِ روحانی اور برکاتِ آسمانی اور عرفانِ الٰہی حاصل کرنے کا سرچشمہ اور منبع آپؐ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپؐ کی بعثت کے وقت

"دنیا شرک اور بُت پرستی سے بھری ہوئی تھی۔ کوئی پتھر کی پُوجا کرتا تھا اور کوئی آگ کی پرستش میں مشغول تھا اور کوئی سورج کے آگے ہاتھ جوڑتا تھا۔ کوئی پانی کو اپنا پرمیشر خیال کرتا تھا اور کوئی انسان کو خدا بنائے بیٹھا تھا۔ علاوہ اس کے زمین ہر قسم کے گناہ اور ظلم اور فساد سے بھری ہوئی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی موجودہ حالت کے بارے میں قرآن شریف میں خود گواہی دی ہے اور فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (الرّوم: ۴۲)۔ یعنی دریا بھی بگڑ گئے اور خشک زمین بھی بگڑ گئی۔ مطلب یہ کہ جس قوم کے ہاتھ میں کتاب آسمانی تھی وہ بھی بگڑ گئی اور جن کے ہاتھ کتاب آسمانی نہیں تھی اور خشک جنگل کی طرح تھے وہ بھی بگڑ گئے۔ اور یہ امر ایک ایسا سچا واقعہ ہے کہ ہر ایک ملک کی تاریخ اس پر گواہ ناطق ہے۔"

(چشمۂ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۳۷۹)

ساری زمین پر خطرناک ظلمت چھائی ہوئی تھی۔زمانہ ’’شبِ تاریک وبیم موج و گرداب چنیں ہائل‘‘ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ ہندوستان جو زمانۂ قدیم میں مذہب کا گہوارہ رہ چکا تھا مذہبیّت تو کیا انسانیت بھی کھو بیٹھا تھا۔ برہمنوں نے جو مذہبی لیڈر تھے ایک بہت بڑے طبقہ کو جو کروڑوں نفوس پر مشتمل تھا اچھوت قرار دے دیا تھا۔ وہ ابدی ناپاک سمجھے جاتے تھے۔ برہمنوں کا دور دورہ تھا وہ جو چاہتے کرتے تھے۔ان کا گناہ گناہ نہیں بلکہ ثواب سمجھا جاتا تھا۔ مندروں کے مہنت اور پُجاری دیوتاؤں کی طرح پُوجے جاتے تھے اور عیش و عشرت میں مست تھے۔ رقص و موسیقی کو انہوں نے عبادت میں داخل کر لیا تھا۔اس لئے مندروں کی حالت حد درجہ ناگفتہ بہ تھی۔ وہ فسق و فجور کے اڈے تھے۔اور عوام النّاس کی بھی دینی حالت حد درجہ گر چکی تھی۔ پتھروں اور درختوں وغیرہ کی پرستش سے تسلّی نہ پا کر عورتوں اور مَردوں کے شہوانی قویٰ تک کی پرستش جاری ہو چکی تھی۔عیسائیوں کے گرجوں کی حالت ہندوؤں کے مندروں سے بہتر نہ تھی۔ وہ بھی فسق و فجور کے اڈے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان راہبوں اور راہبات کی حالت جنہوں نے خدا تعالیٰ کے لئے دنیا کو تیاگ دینے کا عہد کیا تھا اَکْثَرُھُمْ فَاسِقُوْنَ بیان فرمائی ہے۔یعنی ان کی اکثریت بدکار ہو چکی ہے اور نَحْنُ اَبْنَآءُاللّٰہِ وَاَحِبَّآءُہٗ کا نعرہ لگانے والوں کے متعلق فرماتا ہے۔جَعَلَ مِنْھُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتِ (المآئدۃ: ۶۱) کہ وہ بندروں کی طرح نقّال اور ذلیل اور اخلاقی لحاظ سے خنزیروں کی طرح بے حیا اور شہوت پرست تھے۔ یہ تو علماء کی حالت تھی۔عوام کی حالت یہ تھی کہ وہ طاغوت یعنی حدودِ الٰہی توڑنے اور اللہ تعالیٰ سے سرتابی کرنے والوں کے پرستار اور عبد بن چکے تھے۔

روحانیت مفقود ہو چکی تھی۔ تعلق باللہ کے نشانات کسی مذہب میں موجود نہ تھے۔ روحانیت کے سب چشمے ختم ہو چکے تھے۔ یہ حالات تھے جن میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کی طرف مبعوث کر کے اعلان فرمایا۔

وَ أَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُورًا۔لِّنُحْيِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ أَنْعَامًا وَّأَنَاسِیَّ كَثِيْرًا ۔(الفرقان: ۴۹، ۵۰)

یعنی ہم نے آسمان سے مصفّا اور مطہّر پانی اتارا ہے تا کہ ہم اس کے ذریعہ مُردہ شہر کو زندہ کریں۔ مراد یہ ہے کہ مردہ قوم عرب اس پانی سے روحانی زندگی پائے گی۔ فرمایا اور اِسی طرح ہم یہ پانی ایسی قوموں کو پلائیں گے جو اس وقت حیوانات کی سی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ اور اسی طرح بہت سے اُن لوگوں کو بھی پلائیں گے جن میں تمدّن وتہذیب پائی جاتی ہے۔ جس سے انہیں عرفانِ الٰہی حاصل ہوگا اور وہ اپنی زندگیوں میں ایک روحانی انقلاب پیدا کر کے اپنے ازلی محبوب سے تعلق پیدا کر لیں گے۔ چنانچہ آپؐ ہی کی غلامی اختیار کر کے دنیا کی مختلف اقوام کے لوگ فیوضِ روحانیہ اور مکاشفات اور مکالمات ومخاطباتِ الٰہیہ سے مشرّف ہوئے۔

اور آپؐ کی بعثت کے بعد قیامت تک کے لئے یہ قرار پایا کہ اب کوئی شخص خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو بجز آپؐ کی مطابعت اور پیروی کے انعاماتِ الٰہیہ سے حصہ نہیں پا سکتا اور انعام پانے والے گروہ میں شامل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ

مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (النّسآء:۷۰)

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت سے آئندہ روحانی انعامات ملیں گے اور روحانیت کے مراتبِ اربعہ نبوّت، صدّیقیت، شہادت اور صالحیت صرف انہیں کو حاصل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اطاعت کریں گے اور وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے تمام شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں اور جس سے عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یعنی انعامِ مکالمہ ومخاطبۂ الٰہیہ وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو حاصل ہوگا۔ دوسرے تمام اہلِ مذاہب ہندو ہوں یا موسائی، زرتشتی ہوں یا بدھ کے شیدائی، عیسائی ہوں یا کسی اور مذہب کے پیرو ہوں اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہیں گے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے سوا باقی سب مذاہب مکالمہ ومخاطبۂ الٰہیہ کا دروازہ بند کر چکے ہیں اور اپنے آپ کو اِس نعمتِ عظمیٰ سے محروم قرار دے چکے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا یہ محروم رہنا خود انہی کی کرتوت یعنی صراطِ مستقیم سے گریز واجتناب کے نتیجہ میں ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ انسان کے دل میں اپنے محبوب کے دیدار اور اس کا پُرلذّت اور پُرشوکت کلام سُننے کی زبردست خواہش پائی جاتی ہے۔ اور کامل معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اپنے کانوں سے اپنے ازلی محبوب کی میٹھی اور پیاری آواز نہ سُن لی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سچّے عاشق اور اس کے حقیقی دلدادہ اس بات پر کہاں راضی ہوسکتے ہیں کہ وہ اس کے آستانہ پر سر رکھ کر شب وروز روئیں اور گڑگڑائیں اور نہایت تضرّع اور عاجزی سے دعائیں کریں، چیخیں چلّائیں اور انتہائی سوز وگداز سے اُس کو پکاریں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پائیں۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی عاشقِ صادق

کبھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔اس کی عاشقانہ فطرت سے کبھی یہ طلب دُور نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے محبوبِ ازلی کا روح افزا اور تسلّی بخش کلام سُنے ۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے یہ صدائے خاموش بلند ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے ؎

عشق مے خواہد کلامِ یار را

رو بپرس از عاشق ایں اسرار را

اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا عاشق اور اس کے اسرارِ عشق کا واقف اور اس کے طالبوں کو اس کے ملانے کا ماہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی نہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے اپنے طالبوں کی فطرتی آواز کا یہ جواب دلوایا ہے:۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اٰلِ عمران : ۳۲)

اے اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کا دعویٰ کرنے والو! اگر تم اپنے دعویٰ میں صادق ہو اور تمہارے دلوں میں اس ازلی محبوب سے ملنے کی تڑپ ہے تو آؤ میری پیروی کرو مَیں تمہیں تمہارے محبوب سے ملا دوں گا اور اس وصل وتقرب کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

اِسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ .

(البقرۃ: ۱۸۷)

اے محمدؐ رسول اللہ! جب میرے بندے مضطر ہو کر اور ہمہ تن التجا بن کر تجھ سے میرے بارہ میں دریافت کریں تو تُو ان سے کہہ دے کہ مَیں یقیناً قریب ہوں۔ جب پکارنے والا مجھے پکارے تو مَیں اُسے جواب دیتا ہوں۔

اِن آیات سے بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے سب دروازے بند ہو گئے، صرف ایک ہی دروازہ کھلا ہے جو محمدیؐ دروازہ ہے اور تمام روحانی چشمے خشک ہو گئے۔ صرف ایک ہی چشمہ جاری ہے جو کبھی خشک نہ ہوگا اور وہ محمدیؐ چشمہ ہے۔ اس لئے حضرت احمد علیہ السلام مصنّف قصیدہ نے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اپنے اِس قصیدہ کے مطلع میں فرمایا کہ چونکہ آسمانی فیض اور روحانی معرفت حاصل کرنے کا آپؐ کے سوا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا اس لئے آپ ہی اللہ تعالیٰ کے فیض اور عرفان کا سرچشمہ ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے پیاسے اور اس محبوبِ ازلی کی جستجو میں سرگردان و پریشان ہیں وہ سخت پیاسے کی طرح انتہائی اشتیاق سے آپؐ کا قصد کرتے اور بڑی تیزی سے آپؐ کی طرف دوڑتے ہیں تا جلد سے جلد آپؐ تک جو چشمۂ فیض و عرفانِ الٰہی ہیں پہنچ جائیں اور جی بھر کر پیاس بُجھائیں اور سیراب ہو جائیں۔

۲- يَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَّانِ
تَهْوِي إِلَيْكَ الزُّمَرُ بِالْكِيزَانِ

معانی الالفاظ۔ اَلْبَحْرُ: سمندر، ہر بڑا دریا اور نہر۔ اس کی جمع اَبْحُرٌ اور بُحُورٌ اور بِحَارٌ ہے۔

اَلْمَنَّانُ : کَثِیْرُ الْمَنِّ وَ الْاِحْسَانِ۔ اَلْمَنُّ ہر ایک چیز جو بطور انعام دی جائے۔یعنی بہت احسان کرنے والا اور بہت انعام دینے والا۔

تَہْوِیْ : ھَوَتِ النَّاقَۃُ بِرَاکِبِھَا کے معنے ہیں اونٹنی سوار کو تیزی سے لے گئی۔ھَوَی الشَّیْءُ وہ چیز بلندی سے نیچے کو گری۔ ھَوٰی فِی الْاَرْضِ زمین میں سفر کیا۔

اَلزُّمَرُ : زُمْرَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنے جماعت اور فوج کے ہیں۔

اَلْکِیْزَانِ : کُوْزٌ کی جمع ہے۔کُوزے۔

ترجمہ۔اے منعم ومنّان خدائے تعالیٰ کے فضل کے سمندر! لوگ فوج در فوج کُوزے لئے تیزی سے تیری طرف آرہے ہیں۔

شرح۔ پہلے شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی حالت کے لحاظ سے چشمہ قرار دیا تھا۔اور چشمہ ایک چھوٹی سی جگہ میں بھی ہوسکتا ہے جس سے ایک وقت میں تھوڑے سے آدمی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اور اس دوسرے شعر میں حضورؐ کی وسعتِ دعوت کو ملحوظ رکھ کر سمندر کہا ہے۔مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی فیض رسانی چشمہ کی فیض رسانی کی طرح محدود نہیں بلکہ سمندر کی طرح وسیع ہے۔جس طرح سمندر سے بیک وقت گروہ در گروہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں

اسی طرح حضورؐ سے بھی۔

۳- یَا شَمْسَ مُلْكِ الْحُسْنِ وَ الْاِحْسَانِ
نَوَّرْتَ وَجْهَ الْبَرِّ وَ الْعُمْرَانِ

معانی الالفاظ۔ اَلْبَرُّ : خشک زمین۔جنگل اور صحرا۔مراد غیر آباد جگہیں۔

اَلْعُمْرَانُ: آبادی جہاں لوگ ایک نظام اور تمدّن کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔

ترجمہ۔ اے ملکِ حسن واحسان کے آفتاب! تُو نے غیر آباد اور آباد جگہوں کو یکساں طور پر روشن کر دیا ہے۔

شرح۔ اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باعتبار فیضانِ عام کے سورج سے تشبیہ دے کر ظاہر فرمایا ہے کہ جس طرح سورج سے غیر آباد علاقے، دشت وصحرا وغیرہ اور آباد مقامات شہر و دیہات وغیرہ روشنی پاتے ہیں بجز ان لوگوں کے جو اپنے اور سورج کے درمیان کوئی پردہ حائل کر لیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے جو عالمِ روحانی کے سورج ہیں تمام اقوامِ عالم خواہ وہ اہلِ کتاب ہوں یا غیر اہلِ کتاب مستفید ہو رہے ہیں بجز ان لوگوں کے جنہوں نے خود کوئی پردہ حائل کر لیا ہے اور جو دل کے اندھے ہیں۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

اسی طرح ایک اور مقام پر آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن واحسان

کے متعلق فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن
و آن مسیحِ ناصری شد از دمِ او بے شمار

(آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۷)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کا یہ عالم ہے کہ مَیں حضرت یوسف علیہ السلام کی مثل (جو حسن و جمال میں ضرب المثل ہیں) لاکھوں یوسف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہِ ذقن میں دیکھتا ہوں۔

ایک مطلب تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن لاکھوں یوسف پر فائق ہے۔ دوسرا یہ کہ لاکھوں یوسف باوجود اپنے کمالِ حسن کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن پر نثار اور حضورؐ کی محبت کے اسیر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسانِ روحانی اس قدر عام اور بلند ہے کہ حضورؐ کے دم یعنی انفاسِ طیّبہ کی برکت سے آپؐ کی امت میں سے بے شمار مسیح ہو چکے اور ہوں گے اور جو روحانی شربت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کو پلایا گیا آپؐ کے کامل متّبعین

''وہی شربت نہایت کثرت سے، نہایت لطافت سے، نہایت لذّت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں۔ اسرائیلی نُوران میں روشن ہیں۔ بنی یعقوب کے پیغمبروں کی اُن میں برکتیں ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ ثُمَّ سُبْحَانَ اللّٰہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے جس کے ناچیز خادم، جس کی ادنیٰ سے ادنیٰ امّت، جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں۔''

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۶، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۲۷۲ حاشیہ نمبر ۱۱)

اور جیسے مسیح ناصری علیہ السلام روحانی مُردے زندہ کرتے تھے ویسے ہیں آپؐ کے پیرومُردہ دلوں کو زندہ کرتے اور انہیں روحانی زندگی بخشنے والے جام پلاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے عیسیٰ ثانی ہوجانے کے متعلق اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

دمبدم روح القدس اندر معینے مے دمد
من نمی گوئم مگر من عیسیٰء ثانی شدم

اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

عیسیم لیکن ہر آن کو یافت جاں — از دمِ من او بماند جاوداں
شد زِ عیسیٰ زندہ لیکن باز مُرد — شاد آں کو جاں بدیں عیسیٰ سپرد

ان اشعار میں مولانا رومیؒ نے اپنے آپ کو عیسیٰ قرار دے کر کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو جو مُردے زندہ کئے تھے وہ تو پھر مر گئے لیکن وہ خوش ہو جس نے اپنے آپ کو مجھ عیسیٰ کے سپرد کیا کیونکہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

چونکہ صاحبِ قصیدہ کے ممدوح ملکِ حُسن واحسان کے سورج تھے اس لئے دنیا کی کوئی چیز آپ کی محبت کے راستے میں روک نہیں بن سکتی تھی اور نہ دنیا کا کوئی اور دلبر آپ کی محبت میں رخنہ انداز ہوسکتا تھا۔

اس لئے آپؑ فرماتے ہیں ؎

بسے سہل ست از دنیا بریدن — بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ
بدیگر دلبرے کارے ندارم — کہ ہستم کشتۂ آنِ محمدؐ

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۴۹)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و احسان یاد کر کے ساری دنیا سے قطع تعلق کر لینا میرے لئے بہت آسان ہے اور کسی اور معشوق سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ مَیں تو محمدؐ کی آن کا کشتہ ہوں۔

۴۔ قَوۡمٌ رَءَوۡكَ وَ اُمَّةٌ قَدۡ اُخۡبِرَتۡ
مِنۡ ذٰلِكَ الۡبَدۡرِ الَّذِیۡ أَصۡبَانِیۡ

معانی الالفاظ۔ أَصۡبَانِیۡ : اَصۡبَی الشَّیۡءُ فُلَانًا کے معنے ہیں اس چیز نے فلاں کو اپنا مشتاق اور فریفتہ بنالیا۔

ترجمہ۔ ایک قوم تیری رؤیت سے مشرّف ہوئی اور ایک جماعت نے اس بدر کی خبر سُنی جس نے مجھے اپنا گرویدہ کرلیا ہے۔

شرح۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ آپ عالَمِ روحانی کے سورج ہیں تو پھر وہ قومیں جو آپؐ سے پہلے گزر چُکیں اور وہ جو آپؐ سے پیچھے آئیں گی آپؐ کے نور سے کیوں محروم کی گئیں؟ اِس سوال کا اس شعر میں یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات ہر زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ زمانۂ ماضی کے ساتھ اس طرح کہ گزشتہ اقوام کے انبیاءؑ نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر آپؐ کے ظہور کی خبر دی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (استثناء ۱۸/۱۸) میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے میری مانند ایک نبی مبعوث فرمائے

گا اور وہ اس سے ہم کلام ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپؐ کے عالی شان مقام اور شریعتِ کاملہ دیئے جانے کے متعلق علم دیا گیا تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اس عظیم الشان تجلّی الٰہی کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والی تھی اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ''رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ''(الاعراف : ۱۴۴) اے میرے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس تجلّی کی تم تاب نہیں لا سکتے۔ کیونکہ وہ تجلّی مقامِ محمدؐیّت سے مخصوص ہے لیکن ہم اس تجلّی کو پہاڑ پر ظاہر کرتے ہیں۔ اگر پہاڑ اُسے برداشت کر سکے اور اپنی جگہ پر قائم رہے تو تم بھی اس تجلّی کو دیکھ سکو گے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلۡجَبَلِ پھر جب پہاڑ پر اس تجلّی کا ظہور ہوا جَعَلَہٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوۡسٰی صَعِقًا (الاعراف: ۱۴۴) تو پہاڑ میں زلزلہ پیدا ہو کر وہ زمین پر آ رہا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گِر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہوئے اُس کے حضور توبہ کی اور کہا وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کہ میں اُس نبی پر سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں جو اس عظیم الشان تجلّی کا مورد ہوگا۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔ فرمایا:۔

وَ شَہِدَ شَاہِدٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی مِثۡلِہٖ فَاٰمَنَ وَ اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ ۔

(الاحقاف: ۱۱)

کہ بنی اسرائیل کے ایک عظیم الشان شاہد نے شہادت دی تھی کہ

اس کی مانند ایک نبی آئے گا۔ پس وہ اس پر ایمان لے آیا اور تم تکبر کر رہے ہو اور ایمان نہیں لاتے۔

یہی بات امام شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن السعید البوصیری رحمہ اللہ نے اپنے ''قَصِیْدَۃُ الْھَمْزِیَّۃُ فِیْ مَدْحِ خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ'' کے اس شعر میں بیان کی ہے ؎

مَا مَضَتْ فَتْرَۃٌ مِّنَ الرُّسُلِ اِلَّا بَشَّرَتْ قَوْمَھَا بِكَ الْاَنْبِیَآءُ

''یعنی رسولوں کی فترت کا کوئی زمانہ نہیں گزرا مگر انبیاء نے اپنی اپنی قوم کو تیرے آنے کی بشارت دی تھی۔''

اور آئندہ زمانہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروزی رنگ میں آنے کی خبر قرآن مجید کی آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعہ: ۴) میں دی گئی ہے۔ اور اس شعر میں آپ کو بدر اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ کی بعثتِ اولیٰ گو جمالی اور جلالی دونوں رنگ کی تھی مگر اس میں زیادہ تر اسمِ محمدؐ کی تجلّی ہوئی تھی جو جلالی نام ہے اور آپؐ کی بعثتِ ثانیہ جمالی رنگ میں ہونے والی تھی۔ اور جو شخص بروزی رنگ میں آپؐ کے نام پر ظاہر ہونے والا تھا اُسے بَدر کی صورت میں ظاہر ہونا تھا۔ اس لئے اس شعر میں مجازی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر قرار دیا جو سورج سے روشنی حاصل کر کے لوگوں کو منوّر کرتا ہے۔

اس شعر میں علم بدیع کی صنعت التفات استعمال کی گئی ہے۔ پہلے مصرعہ میں ممدوح سے خطاب کیا گیا ہے اور دوسرے مصرعہ میں اِس کا ذکر بصیغہ غائب کیا گیا ہے۔

۵- يَبْكُوْنَ مِنْ ذِكْرِ الْجَمَالِ صَبَابَةً
وَ تَأَلُّمًا مِنْ لَّوْعَةِ الْهِجْرَانِ

۶- وَ اَرَى الْقُلُوْبَ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُرْبَةً
وَ اَرَى الْغُرُوْبَ تُسِيْلُهَا الْعَيْنَانِ

معانی الالفاظ۔ يَبْكُوْنَ۔جمع مذکر غائب مضارع کا صیغہ ہے۔اس کی ماضی بَکٰی ہے جس کے معنے ہیں، اس کے آنسو بہے۔

صَبَابَةٌ ۔شوق اور شدّتِ محبت۔

لَوْعَةٌ ۔سوزِ غم اور جدائی کی جلن۔کہتے ہیں فِیْ قَلْبِہٖ لَوْعَةٌ ۔یعنی اس کے دل میں سوز اور جلن پائی جاتی ہے۔

اَلْهِجْرَانُ۔جدائی، علیحدگی۔ اَلْحَنْجَرَةُ: اَلْحُلْقُوْمُ ۔گلا، حلق

ترجمہ نمبر ۵۔ لوگ آپ کے جمال کی یاد میں شوق و محبت کے مارے روتے ہیں اور جدائی کی جلن اور فراق کی سوزش سے ان کے آنسو بہ رہے ہیں۔

نمبر ۶۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ دل بے قراری سے گلے تک آگئے ہیں اور مَیں آنسو دیکھتا ہوں جنہیں آنکھیں بہا رہی ہیں۔

شرح ۔ جب کسی شخص سے انسان کو شدید محبت ہوتی ہے تو اُس پر اپنے محبوب کی جدائی سخت گراں گزرتی ہے ۔ بسا اوقات شدّتِ اَلَمِ فراق سے اس کی آنکھیں اشکبار رہوتی ہیں ۔ علّامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ بردہ کے مَطلُع میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا ہے اسی حالت کا اظہار کیا ہے ۔ فرماتے ہیں ؎

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٍ
مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰى مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمٍ

کیا ذی سلم مقام کے ہمسائیوں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ مدینہ کی یاد میں تو اس قدر رورہا ہے کہ تُو نے آنسوؤں کو جو آنکھ سے جاری ہیں خون سے ملا دیا ہے ۔ اس میں کثرتِ گریہ کی طرف اشارہ ہے ۔ کیونکہ جو چیز ملائی جاتی ہے وہ تھوڑی ہوتی ہے اور جس میں ملائی جاتی ہے وہ زیادہ ۔ چنانچہ کہتے ہیں نمک آٹے میں ملا دیا ۔ اِسی طرح آنسوؤں کو خون میں ملا دینے سے مراد یہ ہے کہ کثرتِ گریہ کی وجہ سے آنسو باقی نہیں رہے اگر کچھ رہے بھی تو وہ خون سے مل گئے اور اب تیری آنکھیں جو چیز بہا رہی ہیں وہ خون ہے ۔ اگر آنسوؤں کی اس میں شمولیت ہے تو برائے نام جیسے آٹے میں نمک ۔

۷۔ يَا مَنْ غَدَا فِيْ نُوْرِهٖ وَ ضِيَائِهٖ
كَالنَّيِّرَيْنِ وَ نَوَّرَ الْمَلَوَانِ

معانی الالفاظ۔ اَلنَّیِّرَیْنِ: سورج اور چاند

اَلْمَلَوَان: تثنیہ کا صیغہ ہے اس کا مفرد مَلًا ہے۔رات اور دن۔

ترجمہ۔ اے وہ جو اپنے نُور اور روشنی میں مہر و ماہ کی مانند ہو گیا ہے اور جس کے نُور سے رات اور دن منوّر ہو گئے ہیں۔

شرح۔ قرآن مجید کی آیت هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا (یونس:۶) میں سورج کے لئے ضِیَاء کا لفظ اور چاند کے لئے نُور کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اس شعر میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی کمال کا ذکر ہے۔آپؐ چونکہ عالم روحانی کے سورج ہیں اس لئے جب کبھی دنیا میں ظلمت چھائے گی تو اس کا تدارک آپؐ کے ہی نُور سے کیا جائے گا۔جس طرح نظامِ ظاہری میں سورج نقطۂ مرکزیّہ ہے اُسی طرح عالمِ روحانی کے نقطۂ مرکزیّہ آپؐ ہیں۔اس لئے آپؐ کی دنیا میں عدم موجودگی کی حالت میں روحانی تاریکی آپؐ کی روشنی سے بعض ایسے وجودوں کے ذریعے دُور کی جائے گی جو آپؐ کے لئے بمنزلہ ماہ و انجم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ فرقان میں فرماتا ہے:۔

تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا۔ (الفرقان:۶۲)

”وہ خدا بہت برکت والا ہے جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اُس میں

سورج اور روشن چاند بنایا''۔

پس جیسے ظاہری نظامِ عالم میں سورج اور چاند کے علاوہ بارہ بُرج پائے جاتے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ اَلْحَمَلُ[1] ۔ اَلثَّوْرُ[2] ۔ اَلْجَوْزَآءُ[3] ۔ اَلسَّرَطَانُ[4] ۔ اَلْاَسَدُ[5] ۔ اَلسُّنْبُلَةُ[6] ۔ اَلْمِیْزَانُ[7] ۔ اَلْعَقْرَبُ[8] ۔ اَلْقَوْسُ[9] ۔ اَلْجَدْیُ[10] ۔ اَلدَّلْوُ[11] ۔ اَلْحُوْتُ[12] ۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے نظامِ روحانی میں سورج اور چاند اور بارہ بُرج بنائے ہیں۔ قرآن مجید میں سورج کو سراج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ (نوح:۱۷)

پھر سورۃ النبأ میں اس کی صفت وَھَّاج بیان فرمائی ہے۔ یعنی جو ذاتی طور پر بہت روشنی دینے والا ہے اور اس کی گرمی دُور دُور تک محسوس ہوتی ہے۔

اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:۔

وَدَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ (الاحزاب:۴۷)

''کہ آپ سراج منیر ہیں یعنی ایسے سورج ہیں جو دوسروں کو اپنے نُور سے منور کرتے ہیں''

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر امّتِ محمدؐیہ میں سے کسی ایک شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو دینِ اسلام کو تازہ کرے گا۔ اور چودھویں صدی کا مجدّد مسیح اور مہدی کہلائے گا۔ پس پہلی صدی کو چھوڑ کر جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے اور چودھویں صدی کو جس کا مجدّد

بدرِتام اور قمرِ منیر کی طرح ہوگا۔ باقی بارہ صدیوں میں بارہ مجدّد آئیں گے جو بارہ بُرجوں کی طرح ہوں گے اور جس طرح ظاہری چاند سورج کی روشنی سے منوّر رہوتا ہے اِسی طرح مجدّد دینِ امّتِ محمدؐیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نُور حاصل کریں گے۔ گویا اُن کا نُور اپنا ذاتی نُور نہیں ہوگا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مُکتَسَب ہوگا اور ہر ایک اُن میں سے مجدّد صدی چہاردہم کی طرح یہی کہے گا۔

ایں آتشم زِ آتشِ مہرِ محمدؐیست
و ایں آبِ من زِ آبِ زلالِ محمدؐ است

(آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۴۵)

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اقرار کرے گا کہ:

''وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذرّیتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کُنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے ...... اُس آفتابِ ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اُسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۱۹)

پس درحقیقت روحانی لحاظ سے رات ہو یا دن وہ آپؐ ہی کے نُور سے منوّر رہیں۔

۸۔ یَا بَدْرَنَا یَا اٰیَۃَ الرَّحْمٰنِ
اَھْدَی الْھُدَاۃِ وَ اَشْجَعَ الشُّجْعَانِ

۹۔ اِنِّیْ اَرٰی فِیْ وَجْھِكَ الْمُتَھَلِّلِ
شَأْنًا یَّفُوْقُ شَمَائِلَ الْاِنْسَانِ

معانی الالفاظ۔ اَھْدٰی وَ اَشْجَعُ۔ اسم تفضیل کے صیغے ہیں۔ یعنی سب سے بڑا ہادی اور سب سے بڑا بہادر۔

مُتَھَلِّلٌ ۔ تَھَلَّلَ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تَھَلَّلَ الْوَجْہُ اَوِ السَّحَابُ کے معنے ہیں چہرہ یا بادل چمک اُٹھا۔ تَھَلَّلَ فُلَانٌ کے معنے ہیں تَلَأْ لَأَ وَجْھُہٗ مِنَ السُّرُوْرِ کہ اس کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔

شَمَائِلُ ۔ شَمِیْلَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنے طبیعت اور خصلت کے ہیں۔

ترجمہ نمبر ۸۔ اے ہمارے چودھویں کے چاند اور اے رحمٰن خدا کے نشان! اے سب ہادیوں سے بڑے ہادی اور سب بہادروں سے بڑے بہادر!

نمبر ۹۔ مَیں تیرے مسرور اور فرحان و درخشاں چہرے میں ایک ایسی شان دیکھتا ہوں جو انسانی شمائل سے بڑھ کر ہے۔

شرح۔ آپؐ کو بدر اس لحاظ سے بھی کہا گیا ہے کہ انسانی نسل کی ہدایت

کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وہ اعلیٰ درجہ کا نُور عطا کیا جو کسی اور مخلوق کو عطا نہ ہوا۔ وہ کامل نُور نہ فرشتوں میں تھا نہ ستاروں میں ۔ نہ قمر میں تھا نہ آفتاب میں ۔ وہ نہ لعل و یاقوت اور زمرّد میں تھا نہ الماس اور موتی میں ۔ الغرض وہ کسی چیز میں بھی نہ تھا۔ ارضی ہو یا سماوی۔ اور آپؐ کا نُور اللہ تعالیٰ کے نُور سے مُکْتَسَب تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ آپؐ کے لئے بمنزلہ شمس اور آپؐ بمنزلہ بدر تھے۔

پھر آپؐ آیتُ الرحمٰن تھے اس لئے آپ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کا کامل مظہر تھے ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحمانیت کے مطابق عالَمِ ظاہری میں سورج، چاند، پانی، ہوا اور دیگر اشیاء جن پر انسان کی زندگی موقوف ہے انسان کے لئے پیدا کیں اسی طرح اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی صفت کے مطابق قرآن مجید نازل کیا جس پر انسان کی روحانی زندگی موقوف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیغامِ رحمانی کو اپنے جذبۂ فطری کے مطابق لوگوں تک پہنچایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

” قُلْ مَآ اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ

(صٓ:۸۷)

اے رسول ! تُو ان سے کہہ دے کہ اس ہدایت کے کام پر مَیں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ مَیں تکلّف اور تصنّع سے یہ کام کرتا ہوں ۔“

پس آپؐ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کے ایک نشان تھے۔

آپؐ اَهْدَى الْهُدَاةِ اس لئے تھے کہ دنیا میں جس قدر ہادی آئے ہیں اُن

سب میں اوّل درجہ انبیاء علیہم السلام کے گروہ کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل وقتاً فوقتاً جس قدر انبیاء آئے وہ خاص قوم یا خاص مُلک کے لئے ہی آتے رہے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام اور تمام مما لک کے لئے مبعوث ہوئے۔ اس لئے آپؐ کے سوا کوئی بھی یہ نہ کہہ سکا کہ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹) کیونکہ اس اعلان کا مطلب دنیا کی تمام اقوام اور تمام مذاہب کو چیلنج کرنا تھا اور انہیں وہ کامل اور زبردست قوّت نہیں دی گئی تھی جو تمام دنیا کی اصلاح کے لئے ضروری تھی۔ یہ منصبِ شان وشوکت اور یہ مقامِ عظمت و جلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نہ ملا اور جو کامیابی آپؐ کو حاصل ہوئی وہ کسی کو بھی حاصل نہ ہوئی۔ سیّدنا حضرت احمد علیہ السلام اپنے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ بعثت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”وہ ایک خارستان تھا جس میں نبی کریمؐ نے قدم رکھا اور ظلمت کی انتہا ہو چکی تھی۔ میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کُل نبی جو اُس وقت تک گزر چکے تھے سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی وہ ہرگز نہ کر سکتے۔ اُن میں وہ دل اور وہ قوّت نہ تھی جو ہمارے نبی کو ملی تھی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سوءِ ادبی ہے تو وہ نادان مجھ پر افترا کرے گا۔ مَیں نبیوں کی عزّت وحرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کُل انبیاء پر میرے ایمان کا

جُز وِ اعظم اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں ۔ بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کیا ہے جو نہ الگ الگ اور نہ مِل مِل کر کسی سے ہوسکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔‘‘

(الحکم مؤرخہ ۱۷؍جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱ و ۲)

اَشْجَعَ الشُّجْعَانِ۔آپؐ کی بعداز بعثت ۲۳ سالہ زندگی کی ایک ایک ساعت اور ایک ایک لمحہ آپؐ کی بے نظیر شجاعت کی دلیل ہے۔ مَیں یہاں آپؐ کی شجاعت کا ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔غزوۂ حنین میں ایک ایسا وقت آیا جبکہ اسلامی لشکر جو بارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا بے تحاشا میدانِ جنگ سے بھاگ پڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ آدمی میدانِ جنگ میں رہ گئے اور دشمن بے تحاشا تیر برسا رہا تھا۔ اِس اثناء میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی سواری سے اتر کر آپؐ کی خچر کی باگ پکڑ لی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! تھوڑی دیر کے لئے آپؐ پیچھے ہٹ جائیں یہاں تک کہ اسلامی لشکر جمع ہو جائے۔آپؐ نے فرمایا۔ابوبکر! میری خچر کی باگ چھوڑ دو اور خچر کو ایڑ لگاتے ہوئے اُس تنگ راستہ میں آگے بڑھنا شروع کیا جس کے دائیں بائیں کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے دشمن کے تیرانداز تیر برسا رہے تھے۔اِس دہشت خیز اور ہولناک حالت میں آپؐ فرما رہے تھے ؎

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

مَیں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ مَیں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔

ایسے وقت میں کہ دشمن کا پلّہ بھاری ہو اور اس کی فتح کا منظر سامنے تو بڑے بڑے بہادروں کے بھی اوسان خطا اور پِتّہ پانی ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے موت ہی خطرناک نہیں ہوتی بلکہ زندگی موت سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے۔ وہ یہی چاہتا ہے کہ دشمن کے ہاتھ نہ آئے اور کسی طرح میدان سے سلامت نکل جائے۔ وہ دشمن کے ہاتھ آجانے کو موت سے بڑھ کر مصیبت خیز جانتا ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ میں جب روسی فوجیں برلن میں داخل ہو گئیں تو ہٹلر نے خودکشی کر لی تھی اور علی محمد باب کو جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا تھا جب یہ معلوم ہوا کہ وہ قتل کیا جائے گا تو اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ کل یہ لوگ مجھے نہایت بے عزّتی سے قتل کریں گے اس لئے تم میں سے کوئی شخص مجھے قتل کر دے کیونکہ مَیں بہ نسبت دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کے دوستوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کو پسند کرتا ہوں۔

لیکن برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی نہیں کہ میدان سے ہٹنا گوارا نہیں فرمایا اور آگے سے آگے ہی بڑھتے رہے بلکہ رَجز خوانی بھی فرماتے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپؐ دشمنوں پر یہ واضح فرما دینا چاہتے تھے کہ یہ خیال نہ کرنا کہ مسلمانوں کے لشکر کا پیچھے ہٹ جانا میرے دعویٰ نبوّت کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ہے۔ مَیں یقیناً نبی ہوں اور ضرور کامیاب ہوں گا اور اسلامی لشکر کا پیچھے ہٹ جانا ایک عارضی امر ہے۔ آخر غلبہ اُسی کو حاصل ہوگا اور میرا دشمن کے اتنے بڑے لشکر میں تنِ تنہا اقدام انسانی شجاعت سے خواہ کتنا ہی بالا نظر آئے اور پھر اس ہولناک

ہنگامہ میں میرا ہر قسم کے ضرر و گزند سے محفوظ رہنا کتنا ہی مافوق العادت سمجھا جائے لیکن اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ الوہیت مجھ میں سرایت کر گئی ہے یا کوئی حصّہٗ الوہیت مجھ میں آ گیا ہے۔ مَیں ایک انسان اور عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔

تاریخ میں صحابہ رضوان اللہ عنہم کا اقرار موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سب سے زیادہ بہادر تھے۔ پس مذکورہ بالا دو شعروں میں آپؐ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ حقائقِ تاریخیہ ہیں۔

۱۰۔ وَ قَلِ اقْتَفَاكَ اُولُو النُّهٰى وَ بِصِدْقِهِمْ
وَ دَعُوْا تَذَكُّرَ مَعْهَدِ الْاَوْطَانِ

معانی الالفاظ۔ اِقْتَفَاهُ ۔ اَتْبَعَهٗ۔ اس کی پیروی کی۔

اِقْتَفَى الشَّیْءَ: اِخْتَارَهٗ ۔ اُسے چُن لیا اور پسند کیا۔

مَعْهَد ۔ وہ مقام جس میں کوئی ایسی چیز ہو جس کا خیال رکھا جاتا ہے یا وہ جگہ جہاں لوگ آتے جاتے ہیں۔ اس کی جمع مَعَاهِدُ ہے۔ مُراد یادگاریں، زیارت گاہیں اور گھر وغیرہ۔

ترجمہ۔ دانشمندوں نے پیروی کے لئے تجھے منتخب کر لیا اور اپنے صدق کی وجہ سے انہوں نے اپنے وطنوں کی یادگاروں کی یاد بھی ترک کر دی۔

شرح۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے ’’درخت اپنے پھل ہی سے

پہچانا جاتا ہے‘‘ (متی ۳۳/ ۱۲) اس لئے مصنّف قصیدہ اپنے محبوب کے ذاتی اوصاف وکمالات کا ذکر کر کے آپؐ کی صداقت اور آپؐ کی عظمت اور جلالتِ شانِ رسالت کی دلیل کے طور پر اس شعر سے لے کر انیسویں شعر تک آپ کی جماعت کے اعلیٰ درجہ کے نمونے کو پیش کرتے ہیں۔

میورؔ جیسے متعصّب دشمنِ اسلام نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے دانا، زیرک اور معزز تھے۔ اِسی طرح بعض اور صحابہ بھی اپنے خاندان اور شہر میں صاحب الرائے اور معزز سمجھے جاتے تھے۔

پھر صحابہؓ نے جس رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلے انبیاء کی جماعتوں میں اس کی نظیر تلاش کرنا بے سود ہے۔ بنی اسرائیل کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون کے پنجۂ استبداد سے نجات بخشی تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بوجب وعدۂ الٰہی ارضِ مقدسہ میں داخل ہوجانے کا حکم دیا تو انہوں نے تعمیلِ حکم نہیں کی بلکہ گستاخانہ رویّہ اختیار کر کے کہہ دیا کہ تم اور تمہارا خدا جائیں اور دشمن سے جنگ کریں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ لیکن جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر انصار سے جنہوں نے مدینہ کے اندر رہ کر مہاجرین کی حفاظت کا معاہدہ کیا تھا مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! ہم موسیٰؑ کے ساتھیوں کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا ربّ جا کر دشمن سے جنگ کریں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکے گا جب تک کہ وہ ہماری لاشوں پر

سے گزرتا ہوا نہ جائے ۔ یا رسول اللہ ! اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دو تو ہم بے دریغ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دیں گے۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشّام غزوۃ بدر الکبریٰ، استیثاق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من أمر الأنصار)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ کی پیروی عاشقانہ رنگ میں کی ہے اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل اپنے لئے سعادتِ دارین سمجھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد نبوی میں وعظ فرما رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جو قبیلہ خزرج کے مشہور شاعر اور اوّل درجہ کے مخلصین میں سے تھے مسجد کے پاس سے ایک گلی میں گزر رہے تھے کہ مسجد کے اندر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز آئی۔ بیٹھ جاؤ۔ یہ وہیں بیٹھ گئے اور بیٹھے رہے حتیّٰ کہ آپؐ نے خطبہ ختم فرمالیا۔

ممکن ہے آج کل کا خدا فراموش اور مادہ پرست انسان ان کے اس فعل کو قابلِ اعتراض ٹھہرائے کیونکہ اس کے دل میں وہ ایمان اور وہ اخلاص نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے دلوں میں تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اس فعل کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی آواز میرے کان میں پہنچ گئی تو میرا فرض ہے کہ فی الفور اس کی تعمیل کروں۔ ایسا نہ ہو کہ اس حکم کی تعمیل سے قاصر رہنے والوں میں شمار کیا جاؤں۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتبّاع اور آپؐ کی پیروی میں صحابہؓ نے نہایت صدق وثبات اور کامل محبت واخلاص کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے مولد، وطن اور مسکن کو آپؐ کی خاطر ایسا چھوڑا کہ اُن کی یاد تک بھُلا دی۔ جب مکّہ مکرّمہ فتح ہو گیا اور عرب کے ریگستانوں اور میدانوں، پہاڑوں اور ان کی چوٹیوں اور اُن کے

درّوں اور وادیوں اور دیہاتوں اور شہروں میں اللہ اکبر کی صدا گونجنے لگی تو بھی مہاجرین نے آپؐ کے ہمراہ مدینہ میں ہی اپنی سکونت ضروری سمجھی۔

یہ شعر میری طبیعت میں بھی ایک زبردست انقلاب کا باعث ہوا۔ ہم مدرسہ احمدیہ میں تعلیم پاتے تھے۔ جب جمعہ کی تعطیل ہوتی تو ہم فوراً اپنے گاؤں سیکھواں میں چلے جاتے تھے جو قادیان سے جانبِ مغرب تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ایک دفعہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری جو اُس وقت مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر تھے ہمارے گاؤں گئے اور والد صاحب مرحوم و مغفور سے کہا کہ دوسرے لوگ تو جمعہ پڑھنے کے لئے قادیان جاتے ہیں لیکن یہ اپنے گاؤں میں آ جاتے ہیں ایسا کرنا ٹھیک نہیں۔ مگر ہم طالب علموں کو اپنے گاؤں سے جو ہمارا مولد و مسکن تھا شدید محبت تھی۔ اس لئے شیخ صاحب کی نصیحت کا ہم طالب علموں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لیکن ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے کہ مَیں حضرت حافظ روشن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک جلسہ پر لاہور گیا۔ اُس وقت لاہور میں حضرت میاں چراغ دین صاحب مرحومؓ کے مکان واقعہ بیرون دہلی دروازہ میں نماز ہوا کرتی تھی۔ ایک دن نماز مغرب کے بعد حضرت حافظ صاحبؓ مرحوم و مغفور نے اس قصیدہ کے ابتدائی چند اشعار خوش الحانی سے سنائے۔ جب اِس شعر پر پہنچے تو اس شعر کو سُن کر میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اپنے گاؤں کی محبت بالکل کافور ہو گئی۔ اس کے بعد شاذ و نادر ہی گاؤں جایا کرتا اور پھر اس کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بالآخر میرے والد مرحومؓ نے بھی گاؤں چھوڑ کر قادیان ہی میں سکونت اختیار کر لی۔

۱۱- قَدْ اٰثَرُوْكَ وَ فَارَقُوْا اَحْبَابَهُمْ
وَ تَبَاعَدُوْا مِنْ حَلْقَةِ الْاِخْوَانِ

معانی الالفاظ - اٰثَرَهٗ : اَکْرَمَهٗ - اِخْتَارَهٗ - فَضَّلَهٗ یعنی اس کی عزت کی۔ اُسے دوسروں سے چُن لیا اور ان پر فضیلت دی۔

حَلْقَةُ الْاِخْوَان۔ بھائی بندوں کا دائرہ۔

ترجمہ - انہوں نے تجھے اختیار کیا اور دوسروں پر ترجیح دی اور اپنے پیاروں سے جُدا اور اپنے بھائیوں کے دائرہ سے دُور ہو گئے۔

شرح - تاریخ شاہد ہے کہ آپ پر ایمان لانے والوں نے اپنا وطن، اپنا گھر بار اور اپنے رشتہ دار آپ کی خاطر چھوڑ دیئے اور آپؐ کو ہر رنگ اور ہر حال میں دوسروں پر مقدّم کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے حق میں یہ شہادت دی کہ:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ .....الآیة (المجادلۃ:۲۳)

کہ تُو ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہیں پائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالفوں سے محبّت رکھیں خواہ وہ ان کے باپ دادا ہوں یا بیٹے، پوتے یا ان کے بھائی بند ہوں

یا اُن کا کنبہ اور خاندان۔‘‘

اس کے ثبوت میں دو تاریخی واقعات کا ذکر کرتا ہوں:۔

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰنؓ جو غزوۂ اُحد تک ایمان نہیں لائے تھے مسلمان ہونے کے بعد ایک دن آپ سے کہنے لگے کہ آپ ایک مرتبہ جنگ میں میری زد میں تھے لیکن اس خیال سے کہ آپ میرے باپ ہیں مَیں نے آپ پر وار نہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فی الفور جواب دیا کہ بخدا اگر تم میری زد میں آجاتے تو مَیں ضرور تم کو قتل کر دیتا اور کچھ لحاظ نہ کرتا۔ کیونکہ تم اُس وقت خدا کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے آئے تھے۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے بہت حسنِ سلوک کرتے تھے۔ آپ کے مسلمان ہو جانے پر اُس نے سخت مخالفت کی اور جب دیکھا کہ میری کوئی نصیحت کارگر نہیں اور سعد کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آتی تو اُس نے کھانا چھوڑ دیا اور کہا کہ مَیں اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گی جب تک کہ تم اسلام کو ترک نہ کر دو۔ اور ایسا نہ ہوا تو مَیں اس حالت میں مر جاؤں گی اور لوگ تمہیں اپنی ماں کا قاتل کہیں گے۔ آپ نے ہر چند کوشش کی کہ وہ کھانا کھا لے مگر اُس نے نہ کھایا۔ تب آپ نے تیسرے دن اُس سے کہا کہ وَاللّٰهِ لَوْ كَانَتْ لَكِ مِائَةُ نَفْسٍ فَخَرَجَتْ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَكْتُ دِيْنِيْ هٰذَا لِشَيْءٍ ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر تیری ایک جان کی جگہ سَو جانیں ہوں اور ایک ایک جان کر کے نکل جائیں تو بھی مَیں اپنے دین کو کسی چیز کی خاطر نہیں چھوڑوں گا۔ اب تُو کھانا کھا یا نہ کھا۔ جب اُس

نے اپنے بیٹے کا یہ عزم دیکھا تو اُس نے کھانا شروع کر دیا۔

تاریخ کے صفحات ایسے واقعات سے پُر ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہؓ کی بے پایاں محبت اور انتہائی اخلاص کا ثبوت ملتا ہے۔ع

داماںِ نگہ تنگ و گُلِ حُسنِ تو بسیار

۱۲- قَدْ وَدَّعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَ نُفُوْسَهُمْ
وَ تَبَرَّءُوْا مِنْ كُلِّ نَشَبٍ فَانٖ

معانی الالفاظ - اَهْوَآءُ - هَوًى کی جمع ہے۔ایسی چیز کی خواہش جس سے لذّت حاصل ہو۔اس کا غالب استعمال مذموم خواہشات کے لئے ہوتا ہے۔

نُفُوْسٌ - نَفْسٌ کی جمع ہے اور نَفْسُ الشَّيْءِ کے معنے عَيْنُهٗ اس چیز کی ذات کے بھی ہیں۔

نَشَبٌ - ہر قسم کا مال نقد ہو یا از قبیلِ جائیداد۔

ترجمہ۔ انہوں نے اپنی خواہشات اور اپنے نفسوں کو الوداع کہہ دیا اور ہر قسم کے فانی مال اور جائیدادوں سے بیزار ہو گئے۔

شرح۔ اسلام اختیار کر کے انہوں نے اپنی نفسانی خواہشات ہی کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو بھی خیر باد کہہ دیا۔یعنی ان کا اپنا نہ کوئی ارادہ باقی رہا اور نہ کوئی خواہش۔ اور حقیقی مسلمان انسان اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں

قربانی دے کر اور اپنے وجود کو اس کے لئے وقف کر کے اور اس کی رضا میں محو ہو کر ایسے صدق اور اخلاص سے اُس کی طرف جھک جائے کہ اُس محبوبِ حقیقی کے سوا کوئی اُس کا نہ رہے۔ اور اس کی نفسانی زندگی اور نفسانی جذبات پر موت وارد ہو جائے اور اس کے وجود کے تمام پُرزے اور نفس کی تمام قوتیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگ جائیں اور اُس کی ہر حرکت اور سکون اور اس کی زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے ؎

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضئ خدا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اسلام کیا چیز ہے؟ وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر سچّے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہمارے مال اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے۔ ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یُوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے۔ بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک آگ اُوپر سے ہم پر اُترتی ہے۔ ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبّت بھسم ہو جاتی ہے اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں۔ اس حالت کا نام قرآن شریف کی رُو سے اسلام ہے۔ اسلام سے ہمارے نفسانی جذبات

کو موت آتی ہے اور پھر دُعا سے ہم از سرِ نو زندہ ہو جاتے ہیں۔‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۴)

غرض صحابہؓ نے اسلام کی خاطر اپنے مالوں اور جائیدادوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور جب ہجرت کے لئے حکم ملا تو اپنے تمام رشتہ داروں اور مادی مفاد سے بے پرواہ ہو کر اپنے وطن چھوڑ دیئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مالدار تاجر تھے اور مکّہ مکرمہ کے باحیثیت آدمیوں میں سے سمجھے جاتے تھے مگر باوجود اس کے کہ وہ مالدار بھی تھے اور آزاد بھی ہو چکے تھے قریش ان کو مار مار کر بے ہوش کر دیتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے تو حضرت صہیبؓ نے بھی چاہا کہ ہجرت کر کے مدینہ کو چلے جائیں۔ مگر اہلِ مکّہ نے ان کو روکا اور کہا کہ جو دولت تم نے مکّہ میں کمائی ہے تم اسے مکّہ سے باہر نہیں لے جا سکتے۔ ہم تمہیں مکّہ سے نہیں جانے دیں گے۔ صہیبؓ نے کہا اگر مَیں یہ سب دولت چھوڑ دوں تو کیا پھر تم مجھے جانے دو گے؟ وہ اِس بات پر رضامند ہو گئے اور آپ اپنی ساری دولت مکّہ والوں کے سپرد کر کے خالی ہاتھ مدینہ چلے گئے اور رسول کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ صہیب! تمہارا یہ سودا سب پہلے سَودوں سے نفع مند ہوا۔ یعنی پہلے اسباب کے مقابلہ میں تم روپیہ حاصل کیا کرتے تھے مگر اب روپیہ کے مقابلہ میں تم نے ایمان حاصل کیا ہے۔ (اسد الغابۃ۔ صہیب بن سنانؓ)

۱۳۔ ظَهَرَت عَلَيهِم بَيِّنَاتُ رَسُولِهِم
فَتَمَزَّقَ الاَهوَاءُ كَالاَوثَانِ

معانی الالفاظ۔ اَلاَوثَانُ ۔ وَثَنٌ کی جمع ہے۔ بُت۔

اَلوَثَنِيُّ ۔ بُت پرست۔

بَيِّنَاتٌ ۔ بَيِّنَةٌ کی جمع ہے۔ روشن دلیل اور حجّت۔

ترجمہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے واضح دلائل اُن پر ظاہر ہوئے تو ان کی خواہشات بتوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔

شرح۔ قبولیتِ حق کے راستہ میں سب سے بڑی روک انسان کی مقامِ انسانیت سے گرانے والی خواہشیں اور ارادے ہوتے ہیں اور وہ اُن کی ایسی ہی پرستش کرتا ہے جیسے بُت پرست بُتوں کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوٰهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا - أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (الفرقان: ۴۴ و ۴۵)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کر کے جو اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں فرماتا ہے کہ ان میں سے اکثر انسانی امتیاز کھو بیٹھے ہیں۔ نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں وہ تو محض چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔

اِس شعر میں نفسانی خواہشات کے مٹانے کو بُتوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو نہایت نادر و نفیس تشبیہ ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور فرمایا ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (بنی اسراء یل:۷۱)۔ہم نے انسانوں کو بہت معزز اور مکرم بنایا ہے اور اُسے عظیم الشان طاقتیں عطا کی ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں، سورج چاند اور ستاروں، نہروں دریاؤں اور سمندروں، ٹیلوں اور سر بفلک پہاڑوں کو اس کے لئے مسخّر کر دیا ہے۔ اور جو چیزیں بھی آسمان و زمین میں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب انسان کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کا محکوم ہے اور باقی سب کائنات اس کی محکوم ہے۔ جیسا کہ کارگاہِ عالَم پر کسی گہری نظر رکھنے والے نے انسان کو مخاطب کر کے کہا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

مگر اس پر بھی حالت یہ ہے کہ انسانوں ہی کا ایک حصہ اپنے ہاتھوں طرح طرح سے انسانیت کی مٹی پلید کرتا چلا آیا ہے۔کوئی پتھروں کے آگے ماتھا ٹیکتا ہے، کوئی سورج کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہے، کوئی چاند یا کسی اور چیز کو حاجت روا سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شرک کرنے والوں کی مثال ایک ایسے شخص سے دی ہے جو آسمان سے زمین پر گر پڑے۔ کیونکہ شرک کرنے والا مخدوم ہو کر خود خادم

بننا چاہتا ہے اور بلندی کو چھوڑ کر پستی کو اختیار کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی فتح مکّہ بھی ایک واضح دلیل ہے۔ جب حضورؐ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاتحانہ شان سے اس میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ (۳۶۰) بُتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے انسان کے قعرِ مذلّت سے نکل کر اوجِ عزّت تک جو اس کا اصل مقام ہے پہنچنے کا راستہ کھول دیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

جس طرح حضورؐ کا بتوں کو توڑنا نسلِ انسانی کی رفعتِ شان کا موجب ہوا اسی طرح نفسانی خواہشات کو مٹانا اس کی روحانی ترقیات اور تعلق باللہ کے رشتہ کی مضبوطی کا باعث۔

۱۴۔ فِیْ وَقْتِ تَرْوِیْقِ اللَّیَالِیْ نُوِّرُوْا
وَاللّٰہُ نَجَّاھُمْ مِّنَ الطُّوْفَانِ

معانی الالفاظ۔ تَرْوِیْقٌ ۔ رَوَّقَ اللَّیْلُ : مَدَّ رُوَاقُ ظُلْمَتِہٖ ۔ کہ رات نے اپنی تاریکی کا پردہ لمبا کیا۔

ترجمہ۔ وہ راتوں کی تاریکی کے وقت منوّر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں طوفان (ظلمت وضلالت) سے نجات دی۔

شرح ۔ اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت کی ظلمت و تاریکی کی شدّت کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ حقیقت موافق و مخالف دونوں کو مسلّم ہے کہ آپؐ کے زمانے میں ایک عالمگیر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ (دیکھو شرح شعر نمبر ا)

۱۵- قَدْ هَاضَهُمْ ظُلْمُ الْاُنَاسِ وَ ضَيْمُهُمْ
فَتَثَبَّتُوْا بِعِنَايَةِ الْمَنَّانِ

معانی الالفاظ۔ هَاضَهٗ : كَسَّرَهٗ وَ فَتَّتَهٗ ۔ اُس کو ٹکڑے ٹکڑے اور چُور چُور کر دیا۔

ضَيْمٌ ۔ ظلم۔ اس کی جمع ضُيُوْمٌ ہے۔

عِنَايَةٌ : حفاظت۔ کہتے ہیں عَنَى اللّٰهُ بِهٖ عِنَايَةً اَیْ حَفِظَهٗ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی۔

ترجمہ۔ مخالف جماعتوں کے ظلم و ستم نے اُن کو چُور چُور کر دیا۔ مگر وہ خدائے منّان کی حفاظت سے ثابت قدم رہے۔

شرح۔ اوائل میں اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والوں پر جس قدر ظلم و ستم ہوئے ان کی نظیر پہلی قوموں میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے۔ پرکاش دیو جی جو برہمو سماج لاہور کے پرچارک تھے اپنی کتاب ''سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب'' میں لکھتے ہیں:

''ان غریب مومنوں پر ظلم وستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔لوگ انہیں پکڑ کر جنگل میں لے جاتے اور برہنہ کر کے شدت کی دھوپ میں جلتی تپتی ریت پر لٹا دیتے اوران کی چھاتیوں پر پتھر کی سِلیں رکھ دیتے۔ وہ گرمی کی آگ سے تڑپتے۔ مارے بوجھ کے زبان باہر نکل پڑتی۔ بہتیروں کی جانیں اس عذاب سے نکل گئیں ....انہیں مظلوموں میں ایک شخص عمّار تھے جسے اس حوصلہ وصبر کی وجہ سے جواُس نے ظلموں کی برداشت میں ظاہر کیا حضرت عمّار کہنا چاہیے۔ ان کی مشکیں باندھ کر انہیں پتھریلی تپتی زمین پر لٹاتے تھے... اور حکم دیتے تھے کہ محمدؐ کو گالیاں دو۔یہی حال ان کے بڈھے باپ کا کیا گیا۔اُس مظلوم کی بی بی سے جس کا نام سُمَیّہ تھا یہ ظلم نہ دیکھا گیااور وہ عاجزانہ فریاد زبان پر لائی۔ اِس پر وہ بے گناہ ایماندار عورت جس کی آنکھوں کے رُوبرواس کے شوہر اور جوان بچے پر ظلم کیا جاتا تھا برہنہ کی گئی اور اُسے سخت بے حیائی سے ایسی تکلیف دی گئی جس کا بیان کرنا بھی داخلِ شرم ہے۔آخراس عذابِ شدید میں تڑپ تڑپ کراس ایماندار بی بی کی جان نکل گئی۔''

(سوانح عمری حضرت محمد جی صفحہ ۳۴،۳۵)

ایمان لانے والوں پر تیرہ برس کی مدّت تک ایک باقاعدہ سکیم کے ماتحت دردناک مظالم کئے گئے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوعِ انسان کے فخر اُن شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ اُن برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا۔اُن کے خونوں سے کُوچے سُرخ ہو گئے

پر اُنہوں نے دم نہ مارا۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اُس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے اِن تمام آزاروں کو دلی انشراح اور محبت سے برداشت کیا اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور انہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا۔ تب اُس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گزر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اُس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اُس نے اپنی پاک کلام قرآنِ شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے مَیں سب کچھ دیکھ رہا ہوں مَیں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور مَیں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا۔‘‘

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۵، ۶)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اُن کے مظلوم ہونے کی شہادت دی۔ فرمایا:

’’ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۞ نِ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ (الحج: ۴۰، ۴۱)

اللہ تعالیٰ ان مومنوں کو جنہیں قتل کرنے کے لئے کافر چڑھ چڑھ کر آتے ہیں حکم دیتا ہے کہ وہ کافروں کا مقابلہ کریں کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وطن سے صرف اس لئے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔''

اللہ اللہ! ان پر کتنے ظلم کئے گئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھی مظلوم ٹھہرے اور مخلوق کی نظر میں بھی۔ اس لئے ان کا ثابت قدم رہنا اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاص کا نتیجہ تھا۔

۱۶۔ نَهَبَ اللِّئَامُ نُشُوبَهُمْ وَ عَقَارَهُمْ

فَتَهَلَّلُوْا بِجَوَاهِرِ الْفُرْقَانِ

معانی الالفاظ ۔ اَلْعَقَارُ ۔ اَثَاثُ الْبَيْتِ اور غیر منقولہ جائیداد و زمین، گھر وغیرہ۔

نُشُوْبٌ ۔ نَشَبٌ کی جمع ہے۔ اس کے اور تَهَلَّلَ کے معنے کے لئے دیکھو شعر نمبر ۹ و ۱۲۔

ترجمہ ۔ ذلیل و کمینہ اوباشوں نے اُن کے مال اور اُن کی جائیدادیں لُوٹ لیں۔ لیکن فرقان کے قیمتی موتی پا کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اُٹھے۔

شرح۔ مخالفین اسلام نے ان کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد چھین لی لیکن قرآن مجید کے انمول موتی حاصل کر کے وہ بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ ایک بے نظیر جائیداد تھی جو غیر فانی تھی۔ نہ اُسے اُن سے کوئی چھین سکتا تھا نہ کوئی قزّاق لُوٹ سکتا تھا اور نہ کوئی چور چُرا سکتا تھا۔ وہ اس بیش بہا خزانہ کو لے کر جس ملک میں گئے اور جس قوم کے پاس پہنچے اُن کی بے حد عزّت و تکریم کی گئی اور اِسی دنیا میں اُنہوں نے اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ سے بھی رضی اللہ عنہم کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔

۱۷۔ کَسَحُوْا بُیُوْتَ نُفُوْسِھِمْ وَ تَبَادَرُوْا
لِتَمَتُّعِ الْاِیْقَانِ وَ الْاِیْمَانِ

معانی الالفاظ۔ کَسَحُوْا ۔ کَسَحَ سے ماضی جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ کَسَحَ الْبَیْتُ کے معنے ہیں گھر میں جھاڑ و دی۔

تَبَادَرُوْا ۔ تَبَادَرَ سے ماضی جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ تَبَادَرَ الْقَوْمُ کے معنے ہیں کہ لوگوں نے ایک دوسرے سے کسی کام کے کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کی۔

ترجمہ۔ انہوں نے اپنے نفسوں کی کوٹھڑیوں کو خوب صاف کیا اور یقین اور ایمان کی دولت لینے کے لئے وہ جلدی سے آگے بڑھے۔

شرح۔ اِس شعر میں صحابہؓ کی ایک اَور خوبی کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ انہیں اِس

امر کا پورا احساس تھا کہ ایمان اور یقین کی دولت بغیر صفائیِ باطن نہ حاصل ہو سکتی ہے اور نہ کوئی فائدہ دے سکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے باطن کو حد درجہ صاف اور پاک کیا تھا۔ ان کی صفائیِ باطن کا اندازہ اس مثال سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک شخص زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور اُسے معلوم ہے کہ اُس کی سزا رجم ہے لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور زنا کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے طَهِّرْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللهِ۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول میں گناہ کا ارتکاب کر کے ناپاک ہو گیا ہوں اور مَیں نہیں چاہتا کہ یہ ناپاکی کا داغ مجھ پر قائم رہے اس لئے اس کی حد قائم کر کے مجھے پاک کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے دریافت فرماتے ہیں۔ کیا تُو مجنون تو نہیں؟ وہ نفی میں جواب دیتا ہے۔ جب چار دفعہ وہ اس گناہ کا اقرار کر چکا تو آپؐ نے اس پر زنا کی حد قائم کرنے کا حکم دیا۔ اس مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں طہارت باطنی کا کس قدر خیال تھا۔

۱۸۔ قَامُوْا بِاِقْدَامِ الرَّسُوْلِ بِغَزْوِهِمْ
كَالْعَاشِقِ الْمَشْغُوْفِ فِي الْمَيْدَانِ

۱۹۔ فَدَمُ الرِّجَالِ لِصِدْقِهِمْ فِیْ حُبِّهِمْ
تَحْتَ السُّيُوْفِ اُرِيْقَ كَالْقُرْبَانِ

معانی الالفاظ۔ اَلْمَشْغُوْفُ : شَغَفَ حُبَّهٗ اس کی محبت سویدائے

قلب میں داخل ہوگئی۔ اَلشَّغُفُ : اَقْصَی الْحُبِّ۔ انتہائی محبّت۔

اَلْقُرْبَانُ : كُلُّ مَا يُتَقَرَّبُ بِهٖ إِلَى اللهِ تَعَالٰى مِنْ ذَبِيْحَةٍ وَ غَيْرُهَا - ہر چیز جس سے تقرب الٰہی مطلوب ہو ذبیحہ وغیرہ۔

ترجمہ نمبر ۱۸۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش قدمی کے ساتھ یا آپ کے حکم ''آگے بڑھو'' پر میدانِ جنگ میں ایک عاشق صادق کی مانند دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔

ترجمہ نمبر ۱۹۔ سواُن جواں مردوں کے خون محبّت میں صادق ہونے کے باعث تلواروں کے نیچے قربانیوں کی طرح بہائے گئے۔

شرح۔ اِن دونوں شعروں میں صحابہؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اور اُن کی میدانِ جنگ میں ثابت قدمی اور اُن کے اپنے نفسوں کی قربانی کا ذکر ہے۔

گو جنگِ بدر میں مسلمان سپاہیوں کی تعداد ۳۱۳ تھی اور دشمن کی تعداد ایک ہزار تھی لیکن مسلمان سپاہیوں کی اپنے صدق اور اخلاص اور عشق ومحبّت کی وجہ سے جو حالت تھی وہ دشمن کے ایک بدوی سردار عمیر بن وہب کی زبانی سُنیے جو مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لینے کے لئے متعیّن ہوا تھا۔ جب اُس نے کفّارِ مکّہ کو خبر دی کہ مسلمان تین سوا تین سو کے قریب ہوں گے اور کفّار نے خوشی کا اظہار کیا تو اُس نے کہا۔ اے مکّہ والو! میرا مشورہ یہی ہے کہ تم ان لوگوں سے مقابلہ نہ کرو۔ کیونکہ مَیں نے

اونٹوں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں۔یعنی ان میں سے ہر ایک شخص مرنے کے لئے میدان میں آیا ہے۔زندہ واپس جانے کے لئے نہیں آیا۔

پھر میدانِ جنگ میں صحابہؓ کے عشق و محبّت کا مظاہرہ بھی محیّر العقول ہے۔ غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کی فتح کے بعد ایک جماعت کی غلطی کے نتیجہ میں بظاہر شکست کا منظر پیش آیا اور کفار تیر انداز ٹیلوں پر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بے تحاشا تیر برسانے لگے تو حضرت طلحہؓ نے یہ دیکھ کر اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے آگے کر دیا۔ تیر کے بعد تیر حضرت طلحہؓ کے ہاتھ پر لگتا تھا مگر وہ جانباز اور وفادار صحابیؓ اپنے ہاتھ کو کوئی حرکت نہ دیتا تھا۔ تیر پڑتے گئے اور حضرت طلحہؓ کا ہاتھ زخموں کی وجہ سے بے کار ہو گیا اور صرف ایک ہی ہاتھ اُن کا باقی رہ گیا۔ سالہا سال بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں جب مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو رہی تھی کسی دشمن نے طنز کے طور پر حضرت طلحہؓ کو ٹنڈا کہہ دیا۔ اس پر ایک دوسرے صحابیؓ نے کہا ہاں وہ ٹنڈا تو ہے مگر کیسا مبارک ٹنڈا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ طلحہؓ کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی حفاظت میں ٹنڈا ہوا تھا۔ جنگ اُحد کے بعد ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ جب تیر آپ کے ہاتھ پر لگتے تھے تو کیا آپ کو درد نہیں ہوتا تھا اور کیا آپ کے منہ سے اُف نہیں نکلتی تھی؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ درد بھی ہوتا تھا اور اُف بھی نکلنا چاہتی تھی لیکن مَیں اس ڈر سے اُف نہیں کرتا تھا کہ مبادا اُف کرتے وقت میرا ہاتھ ہِل جائے اور تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر آ لگے۔

ایک اور عاشقِ رسولؐ کا واقعہ ہے کہ جب غزوۂ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

زخمی ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے اور آپؐ کے اِرد گرد لڑتے ہوئے بہت سے صحابہؓ شہید ہوئے، اُن میں سے آپؐ کی حفاظت کرنے والے صحابہؓ کی لاشیں آپ پر آ گریں جن سے آپؐ کا جسمِ مبارک چُھپ گیا۔ اس پر کفار نے شور ڈال دیا کہ آپؐ قتل کر دیئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس غم سے ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے زار زار رو رہے تھے کہ حضرت مالکؓ جن کو فتح کے بعد پیدا ہو جانے والے حالات کا کوئی علم نہیں تھا اور اِس خیال میں تھے کہ ہم کو فتح حاصل ہو چکی ہے کھجوریں کھاتے ہوئے اُدھر سے گزرے اور حضرت عمرؓ سے رونے کا سبب پُوچھنے پر یہ جواب سُنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو بولے کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو آپ یہاں بیٹھے رو کیوں رہے ہیں جس دنیا میں ہمارا محبوب گیا ہے ہم کو بھی اُسی میں جانا چاہئے۔ اس کے بعد وہ آخری کھجور جو اُن کے ہاتھ میں تھی اور جسے وہ مُنہ میں رکھنا چاہتے تھے یہ کہہ کر کہ مالک اور جنّت کے درمیان تیرے سوا اور کونسی چیز روک ہے وہ کھجور ہاتھ سے زمین پر پھینک دی اور تلوار کھینچ کر قریباً تین ہزار کفار کے لشکر میں گُھس گئے اور اِس طرح سر ہتھیلی پر رکھ کر جنگ کی کہ دشمن دنگ رہ گیا۔ آپ اسی آن بان اور جوش وخروش سے لڑتے ہوئے زخمی ہو کر گرے۔ لیکن اس حالت میں بھی قریب آنے والوں پر وار پر وار کئے جاتے تھے۔ آخر بہت سے کفار نے آپ پر یک دفعہ ایسی تلوار برسائی کہ جسم پارہ پارہ ہو گیا۔ جنگ کے بعد آپ کی لاش کے ستّر ٹکڑے ہو جانے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھی۔ ایک اُنگلی کے نشان کی بناء پر آپ کی ہمشیرہ نے بتایا کہ یہ میرے بھائی کی لاش ہے۔

جنگوں میں صحابہؓ کی محبّت وفدائیت، خلوص ووفا اور صدق وصفا کی مثالیں اتنی کثیر ہیں جن کے لئے یہ مختصر تحریر کافی نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ (بخاری کتاب الجہاد والسیر باب لا تمنّوا لقاء العدوّ) پر صحابہؓ کا پختہ ایمان تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے اور اُن کے دلوں پر نقش ہو گیا تھا کہ جنّت راحت وآسائش اور عیش وعشرت کی زندگی سے نہیں بلکہ دشمن کی کھچی ہوئی تلواروں کے سایہ میں زندگی بسر کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور انہوں نے میدانِ جنگ میں اپنی جانوں کی جو قربانی پیش کی وہ اپنے اصل معنی میں قربانی ثابت ہوئی کیونکہ صرف یہی نہیں کہ وہ شہادت کا درجہ حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرّب ہو گئے بلکہ اُن کی یہ قربانیاں دوسرے لوگوں کے لئے بھی قُربِ الٰہی حاصل کرنے کا موجب بنیں اور بنتی چلی جائیں گی۔ جنگوں میں اُن کا جو خون بہا اُس کے بیش بہا نتائج وفوائد اُن کی ذات تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ اُس نے اسلامی باغ کو سینچا، سرسبز وشاداب کیا اور مثمر ثمرات بنا دیا۔

۲۰۔ جَاءُوْكَ مَنْهُوْبِيْنَ كَالْعُرْيَانِ
فَسَتَرْتَهُمْ بِمَلَاحِفِ الْاِيْمَانِ

معانی الالفاظ ۔ مَلَاحِفُ ۔ مِلْحَفَۃٌ کی جمع ہے۔ ہر وہ چیز جو اوڑھی جاتی ہے۔ لباس اور جو لباس کے اُوپر ہو۔ چادر وغیرہ۔

ترجمہ ۔ وہ تیرے پاس لُٹے ہوئے مانند برہنہ آئے۔ اور تُو نے انہیں ایمان کے لباس پہنائے اور چادریں اوڑھا دیں۔

شرح ۔ عرب لوگ جو اسلام سے پہلے ہر قسم کی بھلائی سے محروم اور ہر قسم کی بُرائی سے ملوّث تھے۔ جن سے بڑھ کر اُجڈ اور جن سے زیادہ اکّھڑ رُوئے زمین پر اور کوئی قوم نہیں تھی جو تہذیب و تمدّن سے بالکل عاری، جن میں تقویٰ اللہ کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ جو نام و نمود اور شہرت کے دلدادہ تھے۔ اُن کی حالت ان لوگوں کی سی تھی جن کے مال و متاع ڈاکوؤں نے لُوٹ لئے ہوں اور جن کے پاس بدن ڈھانکنے کے لئے بھی کوئی کپڑا نہ بچا ہو۔ ایسے حالات میں وہ اے میرے سید و مولیٰ تیری خدمت میں حاضر ہوئے۔ تُو نے انہیں دولتِ اسلام بخشی اور تقویٰ کا لباس عطا فرمایا اور ایمان کی چادریں اوڑھائیں اور نیکیوں کے میدان میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے والا بنا دیا اور تیری پیروی کی برکت سے ان کا لباس ایمان اور تقویٰ ہو گیا۔ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۔ اس شعر سے لے کر شعر نمبر ۳۹ تک اس انقلابِ عظیم کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عرب قوم میں ظہور پذیر ہوا۔

۲۱۔ صَادَفْتَهُمْ قَوْمًا كَرَوْثٍ ذِلَّةً
فَجَعَلْتَهُمْ كَسَبِيْكَةِ الْعِقْيَانِ

معانی الالفاظ ۔ رَوْثٌ ۔ لید۔ گوبر۔ اس کی جمع اَرْوَاثٌ ہے۔ اَلسَّبِيْكَةُ ۔ چاندی یا سونے کی صاف کی ہوئی ڈلی۔ اس کی جمع سَبَائِكُ ہے۔

اَلْعِقْیَانُ ۔خالص سونا۔

ترجمہ۔ تُو نے انہیں ایسی قوم پایا جو گوبر کی طرح ذلیل تھی۔ پھر تُو نے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنا دیا۔

شرح۔ اس شعر میں اہلِ عرب کی قبل از اسلام حالت کو لید یا گوبر سے تشبیہ دی ہے یعنی حد درجہ ذلیل تھے۔ اقوامِ عالم میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی لیکن اے میرے آقا! تیری صحبت، تیری رفاقت اور تیری متابعت نے ان کو خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنا دیا اور اقوامِ عالم میں انہیں وہ درجہ اور مقام حاصل ہوا جس کی نظیر پہلوں اور پچھلوں میں تلاش کرنا بے سُود ہے۔

۲۲۔ حَتّٰی انْثَنٰی بَرٌّ کَمِثْلِ حَدِیْقَةٍ
عَذْبِ الْمَوَارِدِ مُثْمِرِ الْاَغْصَانِ

معانی الالفاظ۔ حَدِیْقَةٌ ۔باغ یا باغیچہ کو کہتے ہیں جس کی حفاظت کے لئے چاروں طرف دیوار ہو۔ اس کی جمع حَدَائِقُ ہے۔

عَذْبٌ۔ ہر کھانے اور پینے کی چیز جو بہ آسانی حلق سے نیچے اُتر جائے۔ مَاءٌ عَذْبٌ ۔نہات اچھا پانی۔ اَلْمَوَارِدُ ۔ مَوْرِدٌ کی جمع ہے۔ پانی کے لئے وارد ہونے کی جگہ یعنی گھاٹ، پانی تک پہنچنے کا رستہ، مُراد پانی ہے۔

ترجمہ۔ یہاں تک کہ عرب کا چٹیل میدان اُس باغ کی مانند ہو گیا جس کے

چشمے خوشگوار اور شیریں اور درختوں کی شاخیں پھلدار ہوں۔

شرح۔ اس شعر میں اہلِ عرب کی اس حالت کو جو اسلام سے پہلے تھی ایک بیابان بے آب و گیاہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں یہی نہیں کہ کوئی دلکشی و دلچسپی اور امن و آرام کی جگہ پائی نہیں جاتی بلکہ ہر طرف مصیبت ہی مصیبت اور ہلاکت ہی ہلاکت نظر آتی ہے۔ نہ کھانے کو غذا مل سکتی ہے، نہ پینے کو پانی اور نہ ٹھہرنے کو سایہ۔ لیکن حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے پر وہ دہشت انگیز بیابان ایک ایسے دلکش و فرحت خیز باغ میں تبدیل ہو گیا جس میں نہایت صاف و شفاف پانی کی نہریں جاری ہوں۔ جس کے سرسبز و شاداب درختوں میں ایسی کشش ہو کہ دل بے اختیار اس کی طرف کھچیں اور اس کے پھولوں میں ایسی مہک اور پھلوں میں ایسا ذائقہ ہو کہ مشامِ جان اس سے معطّر اور کام و زبان وہ لذت پائیں جس کی نظیر نہ مل سکے۔

باغِ اسلام کا ایک لذیذ پھل حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ بیت المقدس کے پادریوں کی درخواست پر جب آپ کنیسۃ القیامۃ میں جو عیسائیوں کا سب سے بڑا قابلِ تعظیم گرجا ہے تشریف لے گئے اور نماز کا وقت آ گیا تو پادریوں نے درخواست کی کہ یہیں گرجے میں نماز ادا کر لیں تو آپ نے اِس بناء پر انکار کر دیا کہ اگر مَیں نے یہاں نماز پڑھی تو ممکن ہے آئندہ آنے والے مسلمان اس بہانہ سے اس پر قبضہ کر کے مسجد نہ بنا لیں پھر عیسائیوں کو تکلیف ہو۔ پھر آپ نے گرجا سے نکل کر سیڑھیوں کے قریب نماز ادا کی جہاں چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے۔

اسی طرح باغِ اسلام کا ایک اور لذیذ پھل حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حمص اور شام کے دوسرے شہروں کو جب مرکز کے حکم سے مسلمان فوج خالی کر کے دوسرے محاذ پر جانے لگی تو حضرت ابو عبیدہؓ نے عیسائیوں کے سرداروں کو بُلوا کر کہا چونکہ اب ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکیں گے اس لئے آپ سے جو سال کا جزیہ لیا گیا تھا وہ آپ کو واپس کیا جاتا ہے۔ اِس حسنِ معاملگی کو دیکھ کر اس علاقہ کے عیسائی زار زار روئے اور کہا ایسا سلوک تو ہم نے اپنی ہم مذہب حکومت سے بھی نہیں دیکھا۔ اور دعائیں دینے لگے کہ آپ پھر واپس آئیں۔

الغرض باغِ اسلام کے پھل ایسے لذیذ اور خوش ذائقہ تھے کہ وہ آپ ہی اپنی نظیر تھے۔

۲۳۔ عَادَتْ بِلَادُ الْعُرْبِ نَحْوَ نَضَارَةٍ
بَعْدَ الْوَجٰی وَ الْمَحْلِ وَ الْخُسْرَانِ

معانی الالفاظ۔ اَلْعُرْبُ وَالْعَرَبُ ۔اِن کی جمع اَعْرُبٌ و عُرُوْبٌ ہے۔ بحر احمر کے مشرق میں جزیرہ نما علاقہ کے رہنے والے لوگ ۔ نَضَارَۃٌ ۔حسن و جمال، رونق و ترو تازگی، دولت وغنا۔ اَلْوَجٰی بکثرت ننگے پاؤں چلنے سے پاؤں کا گھس جانا۔ اَلْوَجِیُّ: بے نفع اور بے خیر۔ ابن السکیت کہتے ہیں کہ وَجَا یہ ہے کہ اونٹ اپنے پاؤں کے اندر اور گھوڑا اپنے کُھر کے اندر درد محسوس کرے (لسان العرب) اَلْمَحْلُ : قحط، خشک سالی ۔ رَجُلٌ مَحْلٌ: بے فیض اور بے نفع شخص ۔

اَلْخُسْرَانُ : نقصان، ہلاکت، ناکامی، ضلالت، تباہی۔

ترجمہ۔ عرب کے شہروں میں پھر حسن و بہار اور رونق و تر و تازگی آ گئی خستہ حالی و خشک سالی اور تباہی و ویرانی کے بعد۔

شرح۔ عرب قوم کے شہر جو ویرانی و قحط اور خشک سالی کا منظر پیش کر رہے تھے اور ایسے خستہ حال تھے کہ اُن سے کسی فائدہ یا بھلائی کی توقع نہ رہی تھی۔ ذلّت اور نحوست کے بادل اُن پر چھائے ہوئے تھے۔ تباہی اور ہلاکت ہر گھڑی اُن پر منڈلا رہی تھی۔ لیکن اے بارانِ رحمت! تیری آمد سے اُن کی خشک سالی دُور ہو گئی۔ خشکی کی جگہ تر و تازگی نے لے لی۔ ذلّت و نحوست جاتی رہی۔ بیابان گلستان میں تبدیل ہو گئے۔ ریگستان مرغزار بن گئے۔ ویران جگہیں آباد ہو گئیں اور ہر طرف چہل پہل، بہار اور رونق نظر آنے لگی۔

۲۴۔ كَانَ الْحِجَازُ مَغَازِلَ الْغِزْلَانِ
فَجَعَلْتَهُمْ فَانِيْنَ فِي الرَّحْمَانِ

معانی الالفاظ۔ مَغَازِلُ۔ غَازَلَ سے اسم ظرف ہے۔ غَازَلَ الْمَرْأَةُ عورت سے دل لگی اور محبت و عشق کی باتیں کیں۔ اَلْغَزْلُ : عورت سے خوش وقت ہونا اور خوش طبعی کی باتیں کرنا۔ غِزْلَانٌ: غَزَالٌ کی جمع ہے۔ ہرن۔

ترجمہ۔ اہلِ حجاز جو خوبصورت عورتوں سے بے محابا عشق بازی میں محو

تھے تُو نے انہیں رحمٰن میں فانی بنا دیا۔

شرح۔ یہاں سے چند مذموم اجتماعی بُرائیوں کا ذکر شروع ہوتا ہے جو عرب میں بکثرت پھیلی ہوئی تھیں۔ اور وہ ایسی بُرائیاں ہیں کہ جو قوم ان میں مبتلا ہو جاتی ہے وہ اخلاقی اور روحانی لحاظ سے تباہ ہو جاتی ہے اور ان کا مداوا نہایت مشکل ہوتا ہے اور وہ فحاشی اور زنا کاری، شراب نوشی، عیاشی اور موسیقی ہیں۔ **تالمود** سے ظاہر ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں بھی یہ تینوں بُرائیاں بدرجہ کمال پائی جاتی تھیں۔ جب ان کی اصلاح نہ ہوسکی تو وہ قوم تباہ ہوگئی۔ اِس وقت یورپین اقوام میں بھی یہ تینوں بُرائیاں کافی حد تک موجود ہیں مگر ان پر حکومتوں کا کافی حد تک احتساب بھی ہے اور اسی نسبت سے وہ اُن کے بدعواقب کی سزا بھگت رہی ہیں۔ بعض حکوتیں ان کے ازالہ کے لئے کوشاں ہیں لیکن انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسے بدافعال کی کھلے بندوں اشاعت کی جاتی ہے اور جنسی جذبات کو اُبھارنے اور برانگیختہ کرنے والے قصّے اور کہانیاں اور بیانات آزادانہ اخبارات و رسالجات میں شائع ہوتے ہیں اور ان پر کوئی احتساب نہیں۔ ایکٹروں اور خوش گلو نغمہ سنج عورتوں اور مردوں کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ ان کے رائٹرز اور مؤلّفین کو اعتراف ہے کہ فحاشی اور زنا کاری ہماری سوسائٹی میں ایسی صورت میں سرایت کر چکی ہے جس کو دُور کرنا ممکن نہیں۔

عربوں میں یہ تینوں بُرائیاں اُن کی تہذیب وتمدّن کا جُزْوِ لَا یَنْفَکْ بن چکی تھیں اور وہ فخریہ طور پر اپنے قصائد اور مجالس میں ان کا ذکر کرتے تھے۔ بطور مثال عرب کا

مشہور شاعر لبید بن ربیعہ اپنے معلّقہ میں اپنی محبوبہ کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

بَلْ اَنْتِ لَا تَدْرِيْنَ كَمْ مِّنْ لَيْلَةٍ طَلْقٍ لَذِيْذٍ لَهْوُهَا وَ نِدَامُهَا

قَدْ بِتُّ سَامِرَهَا وَ غَايَةِ تَاجِرٍ وَافَيْتُ اِذْ رُفِعَتْ وَ عَزَّ مُدَامُهَا

اَغْلِى السِّبَاءِ بِكُلِّ اَدْكَنَ عَاتِقٍ اَوْ جَوْنَةٍ قُدِحَتْ وَ فُضَّ خِتَامُهَا

وَ صَبُوْحِ صَافِيَةٍ وَ جَذْبِ كَرِيْنَةٍ بِمُؤَتَّرٍ تَأْتَأَ لَهٗ اِبْهَامُهَا

یعنی اے میری محبوبہ! تُو نہیں جانتی کہ کتنی ہی خوشگوار راتیں جن کی خوش رنگی اور مَے نوشی کی مجلس نہایت لذیذ تھی ندماء کے ساتھ گزاریں۔ اور کتنی ہی دفعہ مَیں میخانہ میں آیا اور خمّار کا جھنڈا دکان پر بلند کیا گیا اور مَیں نے اتنی شراب پی اور پلائی کہ اس کا ملنا مشکل ہو گیا۔ مَیں ہر قدیم مشکیزے کی پرانی شراب کے مہنگا ہونے یا بڑے مٹکے کی شراب کی جس کی مُہر توڑی گئی ہو گرانی کا باعث ہوتا ہوں۔ صبح کی مصفّا اور خالص شراب اور نوجوان لڑکی کے اپنے انگوٹھے سے سُرنگی کی تاروں کے تاَ تاَ کی آواز نکالنے کی کشش سے (یعنی گانے سے) بارہا متمتّع ہوا۔

اسی طرح عمرو بن العبد البکری اپنے معلّقہ میں کہتا ہے ؎

فَلَوْلَا ثَلَاثٌ هُنَّ مِنْ عِيْشَةِ الْفَتٰى وَجَدِّكَ لَمْ اَحْفِلْ مَتٰى قَامَ عُوَّدِىْ

فَمِنْهُنَّ سَبْقِى الْعَاذِلَاتِ بِشَرْبَةٍ كُمَيْتٍ مَتٰى مَاتُعْلَ بِالْمَآءِ تُزْبِدِ

وَ كَرِّىْ اِذَا نَادَى الْمُضَافُ مُجَنَّبًا كَسِيْدِ الْغَضَا نَبَّهْتَهُ الْمُتَوَرِّدِ

وَتَقْصِيْرُ يَوْمِ الدَّجْنِ وَالدَّجْنُ مُعْجِبٌ بِبَهْكَنَةٍ تَحْتَ الْخِبَآءِ الْمُعَمَّدِ

یعنی اگر تین باتیں جوان کی لذّت زندگی سے نہ ہوتیں تو مَیں اپنی موت کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کرتا۔ ان میں سے ایک تو سرخ شراب کے پینے میں سبقت لے جانا

ہے جسے پانی کے ساتھ ملا کر جوش دیا جائے تو وہ جھاگ دینے لگے۔ دوسری تیز رو گھوڑے کی عنان کو ایک خائف مظلوم کی نصرت کے لئے پھیرنا اور تیسری ستونوں والے خیمہ کے اندر خوبصورت نازک اندام تنومند محبوبہ کے ساتھ خوشگوار ابر والے دن کا چھوٹا ہونا۔

اِسی طرح عرب جاہلیت کا مشہور شاعر امرئ القیس کہتا ہے ؎

وَ بَیْضَۃِ خِدْرٍ لَا یُرَامُ خِبَاءُھَا تَمَتَّعْتُ مِنْ لَھْوٍ بِھَا غَیْرَ مُعْجَلِ
تَجَاوَزْتُ اَحْرَاسًا اِلَیْھَا وَ مَعْشَرًا عَلَیَّ حِرَاصًا لَوْ یُسِرُّوْنَ مَقْتَلِیْ
فَجِئْتُ وَ قَدْ نَضَّتْ لِنَوْمٍ ثِیَابَھَا لَدَی السِّتْرِ اِلَّا لِبْسَۃَ الْمُتَفَضِّلِ
خَرَجْتُ بِھَا تَمْشِیْ تَجُرُّ وَرَآءَنَا عَلٰٓی اَثَرَیْنَا ذَیْلَ مِرْطٍ مُرَحَّلِ
فَلَمَّا اَجَزْنَا سَاحَۃَ الْحَیِّ وَانْتَحٰی بِنَا بَطْنُ خَبْتٍ ذِیْ حِقَافٍ عَقَنْقَلِ
ھَصَرْتُ بِفَوْدَیْ رَأْسِھَا فَتَمَایَلَتْ عَلَیَّ ھَضِیْمَ الْکَشْحِ رَیَّا الْمُخَلْخَلِ

یعنی کتنی ہی خوبصورت نوجوان لڑکیاں ہیں جن کے خیمے کا قصد نہیں کیا جاتا۔ لیکن مَیں بہ اطمینان اُن سے خوش طبعی کر کے متمتّع ہوا۔ مَیں اس کے پاس محافظوں اور ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزر کر گیا کہ اگر وہ چھپا سکتے تو وہ میرے قتل کے بے حد حریص تھے۔ اور مَیں اُس کے پاس اس وقت پہنچا جبکہ اس نے صرف سونے کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور دن کا لباس اُتار دیا تھا۔ اگلے شعروں کا ترجمہ نہ کرنا ہی مناسب ہے۔

ایسے ننگے طور پر اشاعتِ فحشاء کی جاتی اور اس پر فخر کیا جاتا۔ یہ وہ قصائد تھے

جنہیں عمدہ اور اعلیٰ پایہ کا کلام سمجھ کر خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ اور یہی بدیاں جب عیسائیت میں ایک حد تک داخل ہو گئیں تو اُن سے بھی روحانیت مفقود ہو گئی۔ چنانچہ اخطلؔ جو پہلی صدی ہجری میں مشہور عیسائی شاعر گزرا ہے گو اپنی حالت بیان کرتا ہے لیکن اُس وقت کے عیسائیوں کی اندرونی حالت کی خرابی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

بَانَ الشَّبَابُ وَ رُبَّمَا عَلَّلْتُهُ　　بِالْغَانِيَاتِ وَ بِالشَّرَابِ الْاَصْهَبِ

یعنی جوانی مجھ سے جُدا ہو گئی اور مَیں نے اس کے روکنے کے لئے کئی مرتبہ اور بہت دفعہ یہ حیلہ کیا ہے کہ پیکرِ حسن و جمال عورتوں اور سُرخ شراب کے ساتھ اپنا شغل رکھا ہے۔

اِس شعر میں اخطل نے جو اپنی قوم میں نہایت معزز اور مکرم تھا اپنی زندگی کے واقعات کا صحیح نقشہ کھینچ دیا ہے اور بدکاری کے لوازمات یعنی خوبصورت عورتیں اور ارغوانی شراب کا ذکر کر کے اپنی بدکاری کا اعتراف کیا ہے۔

الغرض یہ تینوں بدیاں یعنی عورتوں سے عشق بازی اور شراب نوشی جو بدمعاشی کے لوازمات میں سے ہیں اور موسیقی یعنی گانا بجانا جو اس کے توابع میں سے ہے عیّاشی کی بنیادی چیزیں ہیں۔

اِس شعر میں عربوں کی بُرائی کا ذکر کیا ہے کہ وہ خوبصورت عورتوں سے بے محابا عشق بازی کرتے تھے اور ہر دم عورتوں کا بھوت اُن کے دماغوں پر سوار رہتا تھا۔ وہ آزاد تھے، فراغت حاصل تھی اس لئے وہ رنگ رلیوں میں مشغول رہتے۔ اِس شعر میں خوبصورت

عورتوں کو غِزْلَان کہا گیا ہے کیونکہ عرب لوگ حسین و جمیل عورت کو ہرن یا نیل گائے سے تشبیہ دیتے تھے۔ چنانچہ اخطل اپنے گرجے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

اِنَّ مَنْ يَّدْخُلِ الْكَنِيْسَةَ يَوْمًا يُلْقِى فِيْهَا جَاذِرًا وَ ظِبَآءً

اگر ہمارے گرجا میں کسی دن کوئی جائے تو بہت سے گوزن بچے اور ہرن اس میں پائے گا۔ یعنی بہت سی خوبصورت ، جوان اور باجمال چست عورتوں کو دیکھ کر حظ اُٹھائے گا۔

پس اہلِ حجاز جو رات دن حسین عورتوں کے عشق میں فنا تھے وہ تیری صحبت سے اے میرے محبوب خدائے رحمان کے عشق میں فنا ہو گئے۔ اُن کے خیالات، اُن کے افکار، اُن کے احساسات، اُن کے جذبات، اُن کی حرکات و سکنات، اُن کا قیام و قعود، اُن کا کھانا اور پینا، اُن کے اقوال و افعال اور اُن کے ارادات و خواہشات سب خدا تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ایسے سونپ دیا جیسے کہ مُردہ بدست زندہ ہو۔

۲۵- شَيْئَانِ كَانَ الْقَوْمُ عُمْيًا فِيْهِمَا حَسْوُ الْعُقَارِ وَ كَثْرَةُ النِّسْوَانِ

معانی الالفاظ ۔ عُمْیٌ ۔ اَعْمٰی کی جمع ہے۔ اندھے۔ حَسْوٌ تھوڑا تھوڑا مزے لے لے کر پینا۔ عُقَارٌ: شراب۔ نِسْوَانٌ ۔ جمع ہے۔ اس لفظ کی مفرد کوئی نہیں ہے۔ عورتیں۔

ترجمہ۔ دو۲ چیزیں تھیں جن میں عرب قوم اندھی ہورہی تھی۔شراب کا مزے لے لے کر پینا اور عورتوں کی بہتات۔

شرح۔ اِس شعر میں پہلی بُرائی کے ساتھ دوسری بُرائی یعنی مَے نوشی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں عورتوں کی کثرت سے مراد رقّاصات،مغنّیات اور عشق بازی کرنے والی عورتیں ہیں۔اور ان دونوں بُرائیوں میں عرب قوم نتائج سے بے پرواہ ہوکر از سرتاپا غرق تھی۔

۲۶- اَمَّا النِّسَاءُ فَحُرِّمَتْ اِنْكَاحُهَا
زَوجًا لَهُ التَّحْرِيْمُ فِي الْقُرْاٰنِ

معانی الالفاظ ۔ زَوْجٌ۔عربی زبان میں جوڑے کو کہتے ہیں اور یہ لفظ مرد عورت دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ترجمہ۔ عورتوں کا پُوچھو تو اُن کی نسبت یہ حکم ہوا کہ اُن کا نکاح ایسے زوج سے منع ہے جس کی تحریم قرآن میں آ گئی ہے۔

شرح۔ جنسی تعلقات کی بدی روکنے کے لئے یہ قانون جاری ہوا کہ کوئی مرد و عورت جن کا باہمی نکاح قرآن مجید میں حرام کر دیا گیا ہے وہ آپس میں کسی حالت میں اور دوسرے بغیر عقدِ نکاح کے جنسی تعلقات قائم نہیں کر سکتے۔اور وہ

آیات جن میں مخصوص عورتوں سے نکاح حرام کیا گیا ہے یہ ہیں۔

’’ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ سے لے کر غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ تک

(النسآء: ۲۳ تا ۲۵)

اوران کا ترجمہ یہ ہے۔

اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے تم اُن کے ساتھ نکاح مت کرو۔ اور جو ہو چکا اس پر کچھ مؤاخذہ نہیں (یعنی جاہلیت کے زمانہ کی خطا معاف کی گئی) اور پھر فرماتا ہے کہ باپ کی منکوحہ عورت کو اپنے عقدِ نکاح میں لانا بڑی بے حیائی اور غضب کی بات ہے اور بہت ہی بُرا دستور تھا۔ تم پر یہ سب رشتے حرام کئے گئے ہیں۔ جیسے تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور دائیاں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا۔ اور دُودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری عورتوں کی وہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پرورش پائیں اور تمہارے گھروں میں رہیں۔ مگر عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو تم سے ہم بستر ہو چکی ہوں۔ اور اگر تم نے ان عورتوں سے صحبت نہ کی ہو تو اس صورت میں تمہیں نکاح کرنے سے مضائقہ نہیں۔ اور ایسا ہی تمہارے بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں مگر وہ بیٹے جو تمہارے صلبی بیٹے ہوں۔ متبنّٰی مراد نہیں ہیں۔ اور یہ حرام ہے کہ تم دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرو اور دونوں تمہارے نکاح میں ہوں مگر جو پہلے اس سے گزر گیا اس پر کچھ مؤاخذہ نہیں۔ بے شک

اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں سوائے ان کے جو شرعی طور پر ظالم کافروں کی لڑائی میں قید ہو کر تمہارے قبضہ میں آئی ہوں۔ یہ خدا کا حکم تحریری ہے جو تم پر لازم کیا جاتا ہے۔ ان عورتوں کے سوا جن کا ذکر کیا گیا باقی سب عورتیں تم پر حلال ہیں مگر اِس شرط سے کہ وہ تعلق صرف شہوت رانی کا ناجائز تعلق نہ ہو بلکہ نیک اور پاک مقاصد کی بناء پر نکاح ہو۔''

اور جو مرد کسی عورت سے اور جو عورت کسی مرد سے ناجائز تعلق قائم کرے گی اس کے لئے قرآن مجید میں سزا مقرر کر دی گئی ہے۔

۲۷۔ وَ جَعَلْتَ دَسْكَرَةَ الْمُدَامِ مُخَرَّبًا
وَ اَزَلْتَ حَانَتَهَا مِنَ الْبُلْدَانِ

معانی الالفاظ۔ دَسْكَرَةً واحد ہے اس کی جمع دَسَاكِرُ ہے۔ وہ مقامات جہاں شراب اور لہو ولعب ہو۔ اَلْمُدَامُ شراب۔ اَلْحَانُ وَ الْحَانَةُ۔ شراب فروخت ہونے کی جگہ۔

ترجمہ۔ تُو نے میخانے ویران کر دیئے اور شراب کی دُکانیں شہروں سے ہٹا دیں۔

شرح۔ شعر نمبر ۲۶ و نمبر ۲۷ میں علم بدیع کی صنعت لف ونشر غیر مرتّب

استعمال کی گئی ہے۔ کیونکہ شعر نمبر ۲۵ میں پہلے شراب کا ذکر تھا پھر عورتوں کی بہتات کا۔ لیکن تفصیل بیان کرتے ہوئے پہلے عورتوں کا ذکر کیا پھر شراب کا۔ جیسے سورۃ الدھر کی آیت اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا (الدھر : ۴) کہہ کر پہلے کافروں کا ذکر کیا پھر ابرار کا۔

اِس شعر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم الشان کارنامہ کا ذکر ہے جو معجزہ سے کسی طرح کم نہیں۔ عرب قوم مَے نوشی کی سخت عادی تھی اور اُن کی شراب نوشی زبان زدِ خلائق تھی۔ وہ مَے نوشی اور اس کے نشہ سے مدہوش ہونے کو فخریہ بیان کیا کرتے تھے۔ ان کے قصائد مَے نوشی کے ذکر سے پُر ہیں۔ لبید بن ربیعہ اپنی شراب نوشی پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

بَادَرْتُ حَاجَتَهَا الدَّجَاجَ بِسِحْرَةٍ
لَا عَلَّ مِنْهَا حِيْنَ هَبَّ نِيَامُهَا

یعنی مَیں نے مُرغ سے بھی جو بہت صبح سویرے اُٹھتا ہے سبقت کرتے ہوئے سحری کے وقت شراب پی۔ اِس لئے نہیں تا لوگ مجھے دیکھ کر شراب نوشی کا طعنہ نہ دیں بلکہ اس لئے کہ جب رات کے سوئے ہوئے صبح کو میخانے میں آ کر شراب نوش کریں تو مَیں اُن سے فخریّہ کہہ سکوں کہ تم تو پہلی بار شراب پی رہے ہو اور مَیں دوسری بار۔ اور عمرو بن کلثوم تغلبی اپنے معلّقہ میں کہتا ہے ؎

أَلَا هُبِّيْ بِصَحْنِكِ فَاصْبَحِيْنَا وَ لَا تُبْقِيْ خُمُوْرَ الْاَنْدَرِيْنَا
وَكَأْسٍ قَدْ شَرِبْتُ بِبَعْلَبَكٍّ وَ اُخْرٰى فِيْ دِمَشْقَ وَ قَاصِرِيْنَا

یعنی اے محبوبہ! شراب کا پیالہ لے کر اُٹھ اور قصبہ اندرین کی

بنی ہوئی جس قدر شرابیں ہیں وہ سب مجھے پلا دے اور ایسا کر کہ شراب کے ذخیرہ سے کچھ باقی نہ رہ جائے۔

پھر کہتا ہے کہ مَیں نے مقام بعلبک میں بھی بہت شراب پی ہے اور پھر اسی قدر دمشق میں بھی۔اور ایسا ہی مقام قاصرین میں بھی پیتا رہا۔

قدیم مذاہب میں سے یہودیت اور عیسائیت میں بھی شراب کا استعمال کسی نہ کسی صورت میں جائز قرار دیا گیا۔سب سے زیادہ عیسائیوں نے شراب نوشی کی۔ اس زمانہ میں بھی شراب کشیدگی اور شراب نوشی کا مرکز عیسائی ممالک ہی بنے۔اور جس مُلک میں بھی اُن کا اثر اور نفوذ ہوا وہاں مَے نوشی میں اضافہ ہوتا گیا۔

موجودہ زمانہ میں امریکہ جیسی عظیم الشان طاقت نے جو اِس وقت حُسنِ انتظام اور ظاہری طاقت اور دولت وثروت کے لحاظ سے دنیا میں نمبر اوّل ہے امتناعِ شراب نوشی اور کشیدگی کے لئے قوانین بنائے اور پولیس،فوج اور ٹیکس کے محکموں نے مل کر متحدہ طور پر اپنے ملک سے مَے نوشی کی لعنت دُور کرنے کے لئے کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے بلکہ امتناعِ شراب کے قوانین کے نفاذ کے بعد شراب نوشی پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔

اِسی طرح حکومتِ بھارت نے موجودہ سال جزوی پابندی لگائی۔اس کا جو نتیجہ نکلا وہ نمائندہ ’’نوائے وقت‘‘ مقیم دہلی کے الفاظ میں یہ ہے۔

’’دہلی میں یکم اپریل ۱۹۵۶ء سے جزوی طور پر شراب نوشی پر پابندی عائد ہے۔دیسی شراب کے سات ٹھیکے تھے جن میں سے گنجان آبادی والے ختم کر دیئے گئے اور افتادہ جگہوں پر تین ٹھیکے رہنے دیئے

گئے ۔ انگریزی شراب خانوں میں اوقاتِ کارِ مے نوشی میں کمی کر دی گئی ۔ اب وہاں صبح بارہ بجے سے تین بجے تک اور رات کے سات بجے سے دس بجے تک ہی شراب مل سکتی ہے اور وہ بھی لازمی طور پر کھانے کے ساتھ ۔ پہلے ہفتے میں منگل کے روز شراب خانے بند رہتے تھے اب منگل اور جمعہ دو روز بند رہتے ہیں لیکن لطف یہ ہے کہ اِن پابندیوں کے باجود اپریل کے مہینے میں شراب کی کھپت میں کمی کی بجائے اضافہ ہوا ہے ۔ بتایا گیا ہے کہ گزشتہ سال اپریل کے مہینے میں دہلی میں جتنی شراب اور بیئر استعمال ہوئی تھی اس سال اپریل کے مہینے میں اس سے ۶۳۴ گیلن شراب اور ۲۵۵۹ گیلن بئیر زیادہ استعمال ہوئی ۔ دیسی شراب کے ٹھیکوں پر بھی کھپت میں اضافہ ہوا بلکہ بہت زیادہ اضافہ ۔ اپریل ۱۹۵۵ء میں جہاں ۱۸۰۰ بوتلیں فروخت ہوئی تھیں وہاں اپریل ۱۹۵۶ء کے صرف پہلے ہفتے میں تین ہزار بوتلیں فروخت ہوئیں ۔“

(”نوائے وقت“ ۱۰؍جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲ مکتوب دہلی)

لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرِ قدسی کا یہ عالم تھا کہ جب ہجرت کے چوتھے سال شراب کی تحریم کا حکم نازل ہوا تو اس حکم کا اعلان ہوتے ہی مسلمانوں نے شراب پینا بالکل ترک کر دیا ۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جس وقت مدینے کے گلی کُوچوں میں اس حکم کا اعلان کیا جا رہا تھا اُس وقت ایک انصاری کے گھر میں شراب کی محفل گرم تھی ۔ دَور چل رہا تھا ۔ ایک خُم لنڈھایا جا چکا تھا دوسرے کی نوبت

آ نے کو تھی کہ اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینا ممنوع قرار دے دیا ہے۔ محفل میں سے ایک شخص اُٹھ کر بولا کہ یہ شراب کی ممانعت کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ ٹھہر جاؤ معلوم کرلیں۔ اس پر ایک اور شخص اُٹھا اور اس مٹکے کو جو شراب سے بھرا ہوا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا کہ پہلے حکم کی تعمیل کرو اور پھر دریافت کرو۔ (بخاری کتاب الاشربہ)

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جس دن شراب کے حرام ہونے کا اعلان کیا گیا اُس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ جن مسلمانوں نے یہ اعلان سُنا تھا اُس کے بعد اُنہوں نے کبھی شراب نہیں پی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محض ایک اعلان ہی عرب قوم سے شراب نوشی جیسے تمدّنی مزمن مرض کو معدوم کرنے کے لئے کافی ہوا۔ اِس اعلان سے شراب خانے ویران اور شراب کی دُکانیں مقفّل ہوگئیں اور نہ شراب کشیدگی باقی رہی اور نہ شراب نوشی۔

یہ فوری انقلاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرِ قوّتِ قدسیہ سے ظہور میں آیا ایسا عظیم الشان و رفیع القدر انقلاب ہے جس کی نظیر نہ آپؐ سے پہلے کی اقوامِ عالم میں پائی گئی ہے نہ آپ کے بعد پیدا ہونے والی کسی قوم میں۔

۲۸- كَمْ شَارِبٍ بِالرَّشْفِ دَنًّا طَافِحًا
فَجَعَلْتَهٗ فِي الدِّيْنِ كَالنَّشْوَانِ

معانی الالفاظ - اَلرَّشْفُ - ہونٹوں سے چُوس چُوس کر پینا۔ رَشِفَ

الاِنَاءَ۔ برتن میں جو کچھ تھا وہ سارا پی لیا۔ دَنٌّ ۔ بڑا مرتبان یا مٹکا جسے مٹی کھود کر کھڑا کیا جاتا ہے۔ طَافِحٌ ۔ بھرا ہوا۔ اَلنَّشْوَانُ : سَکْرَانٌ ۔ مدہوش۔ اس کی مؤنث نَشْوٰی ہے۔

ترجمہ۔ بہت تھے جو خُم کے خُم پی جاتے تھے۔ لیکن تُو نے اُن کو دین کا متوالا بنا دیا۔

شرح۔ جس طرح شراب کے نشہ میں ایک مست و مدہوش شخص کے افعال فکرِ عواقب سے آزاد ہوتے ہیں۔ اِسی طرح اے میرے محبوب تُو نے انہیں شراب کے نشہ سے نجات دلا کر دین کا ایسا متوالا بنا دیا کہ انہوں نے دین کی خاطر عواقب سے بے فکر ہو کر قربانیاں کیں۔ چنانچہ منافق لوگ انہیں یہی طعنہ دیتے تھے کہ وہ عواقب سے بے فکر ہو کر قربانی کرتے ہیں۔ مال خرچ کرتے ہیں تو ایسے رنگ میں گویا انہیں کل کی فکر ہی نہیں۔ اپنی جانیں قربان کرتے ہیں تو ایسے گویا کہ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

۲۹- كَمْ مُحْدِثٍ مُسْتَنْطِقِ الْعِيْدَانِ
قَدْ صَارَ مِنْكَ مُحَدَّثَ الرَّحْمٰنِ

معانی الالفاظ۔ مُحْدِثٌ : مُبْتَدِعٌ ۔ بدعتی۔

مُسْتَنْطِقٌ۔ اِسْتَنْطَقَهٗ: كَلَّمَهٗ ۔یعنی اُس سے کلام کیا، اس سے خواہش کی کہ وہ بولے۔ اَلْعِيْدَانُ ۔عُوْدٌ کی جمع ہے۔سُرنگی یا عُود۔

ترجمہ۔ کتنے ہی بدعتی عود یا سرنگی بجانے والے تیرے طفیل خدائے رحمٰن سے ہم کلام ہوئے۔

شرح۔ بہت سے ایسے بھی تھے جو سُرنگی، عود اور رباب بجاتے اور اُن کی سُروں پر راگ گاتے تھے۔لیکن اے میرے مطاع تیری متابعت کے ذریعے وہ اپنے محبوب ازلی سے ہمکلام ہوئے ۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔پہلی اُمتوں میں محدّث گزرے ہیں۔جن سے خدا ہمکلام ہوتا تھا۔اور اُن کی زبان پر فرشتے بولتے تھے۔میری اُمّت میں بھی ایسے افراد ہوں گے۔اُن میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا۔

اِس شعر کے لفظ مُحْدِث اور مُحَدَّث میں علم بدیع کی صنعت متجانس لفظی پائی جاتی ہے۔

۳۰- كَمْ مُسْتَهَامٍ لِلرَّشُوْفِ تَعَشُّقًا
فَجَذَبْتَهُمْ جَذْبًا اِلَى الْفُرْقَانِ

معانی الالفاظ۔ مُسْتَهَامٌ کہتے ہیں اِسْتَهْيَمَ فُؤَادُهٗ۔اس کا دل اور عقل محبّت وعشق میں کھوئے گئے۔اور ایسے شخص کو مُسْتَهَامُ الْفُؤَادِ کہتے ہیں۔

رَشُوْفٌ :اَلْمَرْأَةُ الطَّيِّبَةُ الْفَمِ ۔یعنی معطر دہن عورت ۔(لسان العرب)

ترجمہ۔ بہتیرے تھے جو معطر دہن عورتوں کے عشق میں سرگردان تھے لیکن تُو نے انہیں فرقان کی طرف کھینچ لیا۔

شرح ۔ یعنی پہلے وہ خوبصورت عورتوں کے عشق میں سرگردان تھے لیکن اے میرے محبوب! تُو نے انہیں اللہ تعالیٰ کے کلام فرقان مجید کا ایسا گرویدہ اور عاشق بنادیا کہ وہ اُسی کے ہو رہے اور مطابق حدیث اَلدُّنْيَا سِجْنٌ لِلْمُؤْمِنِ قرآن مجید کے احکام کی چاردیواری میں انہوں نے اپنی زندگی بسر کی۔

۳۱- اَحْيَيْتَ اَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَةٍ
مَاذَا يُمَاثِلُكَ بِهٰذَا الشَّانِ

معانی الالفاظ ۔ اَمْوَاتٌ ۔ مَيْتٌ اور مَيِّتٌ کی جمع ہے۔مُردے۔ اَلْقُرُوْنَ ۔ قَرْنٌ کی جمع ہے۔صدی۔ جَلْوَةٌ: جَلَا الْعُرُوْسُ عَلٰى زَوْجِهَا جَلْوَةً اُس وقت کہتے ہیں جب دُلہن دُولہا کو پہلی دفعہ چہرہ دکھاتی ہے اور جِلْوَةٌ وہ تحفہ ہے جو زفاف کے وقت دُولہا دُلہن کو پیش کرتا ہے۔

ترجمہ۔ تُو نے صدیوں کے مُردے ایک جلوہ سے زندہ کردیئے۔کون ہے جو اِس شان میں تیرا نظیر ہو سکے۔

شرح ۔ اِس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے نبی اپنی اپنی قوم کو اس رنگ کی پائیدار اور کامل روحانی زندگی عطا نہ کر سکے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قوم عرب کو حاصل ہوئی۔ دنیا میں جس قدر رسول و نبی آئے اُن سب کا اہم مقصد اور عظیم الشان مشن توحیدِ الٰہی کی تبلیغ تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

''وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:۳۷)

یقیناً ہم نے ہر قوم کی طرف رسول بھیجے اور اُن میں سے ہر رسول نے یہی تعلیم دی کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور تمام طاغوتی طاقتوں سے اجتناب اختیار کرو۔''

رسولوں کے اِس مشترکہ مشن کو ملحوظ رکھ کر جب اُمّتِ محمدؐیہ کا دوسری اُمتوں سے مقابلہ کیا جائے تو جس رنگ میں کیفیت وکمیّت کے لحاظ سے اُمّتِ محمدؐیہ توحید پر قائم رہی اس کی نظیر کسی اور رسول کی اُمّت میں نہیں پائی جاتی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے چند لوگ ایمان لائے اور باقی قوم بُت پرستی اور فسق و فجور پر قائم رہی۔ آخر ہلاک کی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی یہ حالت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی ایک بُت پرست قوم کو دیکھ کر کہنے لگی اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (الاعراف:۱۳۹) ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو جیسے اس قوم کے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود ہیں۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن

سے چند دن کے لئے علیحدگی اختیار کی تو وہ بچھڑے کو پُوجنے لگ گئے۔ اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے بھی تھوڑی ہی مدّت کے بعد شرک میں مبتلا ہو گئے اور خود مسیح ؑ کی عبادت کرنے لگے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسیہ و انفاسِ طیّبہ سے صدیوں کے مُردے یکدفعہ زندہ ہو گئے اور دنیا نے ایک بے نظیر انقلاب دیکھا۔ وہ جزیرۂ عرب جو بُت پرستی کے سوا کچھ نہ جانتا تھا وہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک سمندر کی طرح توحیدِ الٰہی سے بھر گیا۔ اور آپؐ نے اپنی اُمت کو ایسے رنگ میں توحیدِ الٰہی کا سبق پڑھایا کہ وہ اُسے کبھی فراموش نہ کر سکی اور شب و روز مساجد کے بلند میناروں سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اعلان کرتی رہی۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے کامل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جس قسم کا احیاءِ عرب میں رونما ہوا اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم اور ملک میں نہیں پائی گئی۔ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

> ’’آپؐ جس قوم میں مبعوث ہوئے اُس پر ایسی تباہی و بربادی آئی ہوئی تھی جس کی نظیر دنیا میں بہت ہی کم پائی جاتی ہے۔ مگر پھر خدا تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ ہی آپؐ کے ہاتھ پر اس مُردہ قوم کو زندہ کر دیا اور اُسے دنیا کا فاتح اور حکمران بنا دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اور بیمار تندرست ہونا چاہتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علاج کے لئے جو بیمار ملا وہ ایسا تھا جو اپنی زندگی کا خواہاں نہیں تھا بلکہ چاہتا تھا کہ مر جائے اور اس کا وجود دُنیا سے مٹ جائے۔ مگر پھر وہی بیمار جو مر جانا چاہتا تھا، جو زندگی کا ملنا ناممکن سمجھتا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اچھا ہوا۔ زندہ ہوا

اور اُس نے دنیا کے اور ہزاروں لاکھوں لوگوں کو زندہ کر دیا۔ مکّہ کے لوگ جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی معمولی تاجر تھے۔ نہ ان کو حکومت حاصل تھی، نہ اُن میں کوئی نظام موجود تھا، نہ انہیں کوئی عزّت اور شہرت حاصل تھی، انتہائی کس مپرسی کی حالت میں ایک گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ مگر دیکھو وہ لوگ آپؐ کے ذریعہ سے کس طرح زندہ ہو کر دنیا میں پھیل گئے۔ جس طرح چیل جھپٹا مار کر اپنے شکار کو قابو میں کر لیتی ہے اسی طرح وہ دیوانہ وار دنیا میں نکلے اور بڑی بڑی حکومتوں کو اُنہوں نے تہ و بالا کر دیا۔ اہلِ عرب کی حیثیت اس قدر معمولی تھی کہ ہمسایہ حکومتوں کے ادنیٰ ادنیٰ تحصیلدار بھی اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کر دیا کرتے تھے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آنے کے بعد اُن کی طاقت کا یہ حال ہو گیا کہ وہ بڑی بڑی حکومتوں کے ساتھ ٹکرانے لگے۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے مقابلہ میں پاش پاش ہو گئیں اور بڑے بڑے بادشاہ گردن جھکائے اور ہتھیار ڈالے اُن کے سامنے حاضر ہوئے۔ یہ نمونہ تھا اس احیاء کا جو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا۔"

(تفسیر کبیر تفسیر سورۃ الاعلیٰ زیر آیت نمبر ۲)

۳۲- تَرَکُوا الْغَبُوْقَ وَ بَدَّلُوْا مِنْ ذَوْقِهٖ
ذَوْقَ الدُّعَاءِ بِلَیْلَةِ الْاَحْزَانِ

معانی الالفاظ - اَلْغَبُوْقُ - وہ شراب جو اہلِ عرب پچھلے پہر شام کے

قریب پیتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں صَبُوح ہے جو صبح کے وقت پیتے تھے۔
اَلْاَحْزَانُ حَزَنٌ اور حُزْنٌ کی جمع ہے۔ہمّ وغم۔

ترجمہ۔ انہوں نے شام کی شراب ترک کردی اور اس کی لذّت کے بدلے انہوں نے غم کی راتوں میں دُعا کی لذّت اختیار کرلی۔

شرح۔ کتنا عظیم الشان انقلاب ہے۔ یا تو وہ وقت تھا کہ وہ اپنی راتیں راگ ورنگ، لہو ولعب اور اکل وشرب میں گزارتے تھے یا یہ حالت ہوگئی کہ وہ شب ہائے تاریک وتار میں اپنے معبود کے حضور سجدہ ریز ہوکر سوز وگداز سے دعاؤں کا لطف اٹھانے لگے۔ سبحان اللہ! کیسا نعم البدل اختیار کیا!

عرب میں شراب پینے کے پانچ وقت مقرر تھے جن میں مہمانوں وغیرہ کو بھی شراب پیش کی جاتی تھی۔ جَاشِرِیَّہ اس شراب کو کہتے تھے جو صبح قبل طلوع آفتاب پی جاتی تھی۔ اور صَبُوح جو بعد طلوع آفتاب پیتے تھے۔ دوپہر کے وقت کی شراب کو قَیْل کہتے تھے۔ جو پچھلے پہر شام کے قریب پیتے تھے اُس کا نام غَبُوق تھا۔ اور رات کے وقت شراب پینا فَحْمَہ کہلاتا تھا[1]۔ اسلام نے ظہور فرما کر پانچوں وقت

---

[1] لسان العرب میں لکھا ہے فَحْمَۃُ اللَّیْلِ رات کے پہلے حصّہ کو اور بعض کے نزدیک پہلے حصّے میں جو سخت اندھیرا ہوتا ہے اُسے اور بعض سورج کے غروب ہونے سے لے کر سونے کے وقت تک کو فَحْمَہ کہتے ہیں۔ اور ان اوقات میں شراب پینے کو بھی فَحْمَہ کہا جاتا مگر شراب کا نام فَحْمَہ نہیں تھا جیسے جَاشِرِیَّۃ، صَبُوحٌ، غَبُوق اور قَیْل شراب کے نام ہیں۔ منہ

شراب نوشی کی بجائے پانچ نمازیں مقرر کردیں اور ہر ایک بدی کی جگہ نیکی رکھ دی۔

۳۳- كَانُوْا بِرَنَّاتِ الْمَثَانِيْ قَبْلَهَا
قَدْ اُحْصِرُوْا فِيْ شُحِّهَا كَالْعَانِيْ

معانی الالفاظ۔ اَلرَّنَّاتُ ۔ رَنَّةٌ کی جمع ہے اور رَنِیْن ایسی آواز کو کہتے ہیں جس میں سوز وغم پایا جائے۔ اَلْمَثَانِيْ مُثَنّٰی کی جمع ہے۔ عُود یا سُرنگی کی پہلی تار کے بعد کی دوسری تاریں۔ اُحْصِرُوْا: اَحْصَرَهٗ عَنِ السَّفَرِ کے معنے ہیں اُسے سفر سے روک لیا۔ شُحٌّ حرص وبخل۔ اَلْعَانِيْ مطیع وذلیل قیدی۔ اس کی جمع عُنَاةٌ ہے اور مؤنث عَانِيَةٌ کی جمع عَانِيَاتٌ اور عَوَانٍ ہے۔

ترجمہ۔ اس سے پہلے وہ سُرنگیوں اور دوتاروں کی سُروں اور نغموں اور رُوں رُوں کی آواز کی حرص میں ذلیل ومطیع قیدی کی طرح تھے۔

۳۴- قَدْ كَانَ مَرْتَعُهُمْ اَغَانِيْ دَائِمًا
طَوْرًا بِغِيْدٍ تَارَةً بِدِنَانٍ

معانی الالفاظ۔ مَرْتَعٌ ۔ ہر وہ خوشحال جگہ جس میں اس کے مناسبِ حال ضروری سامان موجود ہو۔ مَوْضِعُ الرَّتْعِ ۔ چراگاہ۔ رَتْعٌ ۔ خوشحالی کے بہ افراط ہونے اور فارغ البالی کی زندگی کو کہتے ہیں۔ اَغَانِيْ ۔ اُغْنِيَةٌ (یاء کی تخفیف اور

تشدید کے ساتھ) کی جمع ہے۔راگ جو گایا جائے اور ترنّم کے ساتھ پڑھا جائے۔
طَوْرٌ کبھی کہتے ہیں اَتَیْتُہٗ طَوْرًا بَعْدَ طَوْرٍ اَیْ تَارَۃً بَعْدَ تَارَۃٍ - غِیْدٌ اَغْیَدُ
اور غَیْدَآءُ کی جمع ہے۔نازک اندام۔

ترجمہ۔ ان کی محفلیں اور پکنکیں ہمیشہ راگ ورنگ تھیں۔کبھی تو نازک اندام نازنینوں کے ساتھ دل لگی اور کبھی مے کے خُم لنڈھائے جاتے۔

۳۵- مَا کَانَ فِکْرٌ غَیْرَ فِکْرِ غَوَانِیْ
اَوْ شُرْبِ رَاحٍ اَوْ خَیَالِ جِفَانٖ

معانی الالفاظ۔ غَوَانِیْ -غَانِیَۃٌ کی جمع ہے۔وہ عورت جو اپنے ذاتی حسن وجمال کی وجہ سے آرٹیفشل زینت سے بے پرواہ ہو۔متنبّی کہتا ہے ؎

حُسْنُ الْحِضَارَۃِ مَجْلُوْبٌ بِتَطْرِیَۃٍ　　وَ فِی الْبَدَاوَۃِ حُسْنٌ غَیْرُ مَجْلُوْبٖ

یعنی شہریوں کا حسن تو بال سنوارنے اور سنگار کا رہینِ منت ہے اور بدویوں کا حسن قدرتی اور طبعی ہوتا ہے۔ رَاحٌ -شراب۔ جِفَانٌ - جَفْنَۃٌ کی جمع ہے۔ بڑے پیالے۔

ترجمہ۔ انہیں خوبصورت گانے والی عورتوں یا شراب نوشی اور کاسہ ہائے شراب کے تصوّر کے سوا اور کوئی فکر نہ تھی۔

شرح۔ مذکورہ بالا تینوں شعروں میں انہی تینوں بُرائیوں کا مختلف پیرایوں میں ذکر کیا گیا ہے جن کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔

۳۶۔ كَانُوْا كَمَشْغُوْفِ الْفَسَادِ بِجَهْلِهِمْ
رَاضِيْنَ بِالْاَوْسَاخِ وَ الْاَدْرَانِ

معانی الالفاظ۔ اَوْسَاخٌ ۔ وَسَخٌ کی جمع ہے۔

اَدْرَانٌ ۔ دَرَنٌ کی جمع ہے مَیل کچیل۔

ترجمہ۔ وہ اپنی بے وقوفی اور جہالت سے فساد کے شیفتہ تھے اور میل کچیل اور ناپاکی پر خوش تھے۔

۳۷۔ عَيْبَانِ كَانَ شِعَارَهُمْ مِنْ جَهْلِهِمْ
حُمْقُ الْحِمَارِ وَ وَثْبَةُ السِّرْحَانِ

معانی الالفاظ۔ شِعَارٌ: سِرُّ اللَّيْلِ ''واچ ورڈ'' کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ کلمہ جس کے ساتھ دوست اور دشمن کی تمیز کی جاتی ہے۔ جنگ یا سفر میں کوئی علامت جو مقرر کر لی جائے۔ جسم کے ساتھ لگے ہوئے لباس کو بھی کہتے ہیں۔ اس کے مقابل کا لفظ دِثَارٌ ہے۔ اُوپر کا کپڑا انہیں معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاَنْصَارُ شِعَارِیْ وَا لنَّاسُ دِثَارِیْ ۔حُمُقٌ ۔کم عقلی۔

اَلسِّرْحَانُ ۔بھیڑیا یا شیر۔اِس کی جمع سِرَاحٌ اور سِرَاحِیْنُ ہے۔

ترجمہ۔ جہالت سے دو عیب ان کے شاملِ حال تھے۔اَڑ گدھے کی اور حملہ بھیڑیئے کا۔

شرح۔ آخری دو شعروں میں آپ نے عرب قوم کی بعض تمدّنی برائیوں کے اسباب و علل کا ذکر فرمایا ہے۔مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے ان بُرائیوں کا ذکر مسدّس میں یُوں کیا ہے۔

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ ہر اِک لُوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اَڑ بیٹھتے تھے سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اُس سے بھڑک اُٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکرؔ اور[1] تغلبؔ کی باہم لڑائی   صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی   تھی اِک آگ ہر سُو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اِک ان کی جہالت کا تھا وہ
کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا   کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا   کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یُونہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں
جُوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی   شراب اُن کی گُھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیّش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی   غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی
بہت اِس طرح اُن کو گزری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

---

[1] بَکر اور تَغْلَب عرب کے دو قبیلوں کا نام ہے جن کے درمیان یہ لڑائی ہوئی تھی اور اس جنگ کو حَرْبِ بَسُوس اس لئے کہتے تھے کہ بکر خاندان کی ایک عورت کے ہاں جس کا نام بَسُوس تھا ایک مہمان آیا۔ اس مہمان کی اونٹنی چرتی ہوئی کُلَیب کی چراگاہ میں جو خاندان بنی تغلب سے تھا چلی گئی اور کلیب نے اس کے تھنوں کو تیر سے زخمی کر دیا۔ یہ بات بنی بکر کو ناگوارِ خاطر ہوئی اور ان میں سے ایک شخص مُهَلْهَل نے کُلَیب کو برچھے سے مار ڈالا۔ اس سے دونوں قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی جو عرصہ تک قائم رہی۔

۳۸۔ فَطَلَعْتَ یَا شَمْسَ الْهُدٰی نُصْحًا لَّهُمْ
لِتُضِیْئَهُمْ مِنْ وَّجْهِكَ النُّوْرَانِیْ

۳۹۔ اُرْسِلْتَ مِنْ رَّبٍّ كَرِیْمٍ مُّحْسِنٍ
فِی الْفِتْنَةِ الصَّمَّآءِ وَالطُّغْیَانٖ

ترجمہ نمبر ۳۸۔ اتنے میں اے آفتابِ ہدایت! تُو اُن کی خیر خواہی کے لئے طلوع ہوا تا اپنے نورانی چہرے سے انہیں منوّر کر دے۔

ترجمہ نمبر ۳۹۔ تُو خدائے کریم و محسن کی طرف سے سخت خوفناک فتنے اور طغیانی کے وقت مبعوث کیا گیا۔

شرح۔ ان دو شعروں میں اُس انقلابِ عظیم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ایک اکھّڑ اور اُجڈ ننگِ انسانیت قوم میں خدا تعالیٰ کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے رُونما ہوا۔ یہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اُس تقریر کا درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو اُنہوں نے قریش کے اُس وفد کی موجودگی میں جس نے نجاشی شاہِ حبشہ سے اُن مسلم مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا جنہوں نے قریش کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ میں پناہ لی تھی۔ آپ نے شاہ نجاشی کے دریافت کرنے پر نہایت رقّت انگیز پیرایہ میں فرمایا :-

"اے بادشاہ! ہمارا یہ حال ہے کہ ہم جہالت اور گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے۔ ہم بتوں کو پُوجا کرتے تھے۔ مُردار کھایا کرتے تھے۔ گندی فحش باتیں بکتے تھے۔ ہم میں کوئی انسانیت کی خوبی نہ تھی۔ خداوند تعالیٰ نے جس کا فضل عام جہان پر چھایا ہوا ہے محمدؐ کو اُس پر اللہ کی رحمت اور عنایت ہو ہمارے لئے رسول کر کے بھیجا۔ اُس کی شرافتِ نسب اور راست گُفتاری، صفا باطنی اور دیانتداری سے ہم خوب آگاہ ہیں۔ اُس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی ظاہر فرمائی اور وہ اللہ کا یہ پیغام لے کر ہمارے پاس آیا کہ سرف ایک خدا پر ایمان رکھو۔ اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بتوں کی پرستش مت کرو۔ راست گفتاری اپنا شعار ٹھہراؤ۔ امانت میں کبھی خیانت نہ کرو۔ اپنے تمام ابنائے جنس سے ہمدردی رکھو۔ پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ عورت ذات کی عزت کرو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ پاکیزگی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو۔ خدا کی عبادت کرو۔ اُس کی یاد میں کھانا پینا تک بھول جاؤ۔ راہِ خدا میں غریبوں کی مدد کے لئے خیرات کرو۔

اے بادشاہ! صرف اِس ایمان لانے پر ہمیں وہ ایذائیں دی گئیں کہ ہمیں بال بچے، گھر بار تک چھوڑ کر جلاوطن ہونا اور راہِ غربت اختیار کرنا پڑا ہے۔ ہمیں اپنے دیس میں کہیں پناہ نہ ملی۔ آخر ہم سب پردیسیوں نے تیرے ملک میں آکر پناہ لی ہے۔ تیرے انصاف اور رحم سے ہمیں اُمید ہے کہ تُو غریبوں پر ظلم نہ ہونے دے گا۔"

(سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحب مؤلّفہ پرکاش دیوجی صفحہ ۳۶، ۳۷)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس تقریر میں عرب کی قبل از اسلام حالت اور انقلاب پیدا کرنے والی اسلامی تعلیم کا مختصر ذکر کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس عظیم الشان انقلاب کا جو عرب قوم میں ایک نہایت قلیل عرصہ میں پیدا ہوا سورۃ فرقان کے آخری رکوع میں یُوں ذکر فرمایا ہے:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّ إِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ۔ (الفرقان: ٦٤)

یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمانیت کے ماتحت اپنے رسول کے ذریعہ تیار کئے ہیں اُن میں متکبّرانہ روش کی جگہ تواضع اور انکساری آ گئی ہے۔ پہلے تو وہ نشہ میں مدہوش ہو کر تبختر انہ انداز میں چلنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ جیسے سموٴل بن عادیا کہتا ہے۔ع

وَ اِذَا مَا اِصْطَبَحْتُ اَرْبَعًا خَطَّ مِيْزَرِىْ

''یعنی جب مَیں صبح کو شراب کے چار گلاس پی لیتا ہوں تو مَیں نہایت متکبّرانہ انداز میں چلتا ہوں اور میرا تہ بند زمین پر لکیر کھینچتا جاتا ہے۔''

لیکن اب اُن کی یہ حالت ہے کہ وہ زمین پر نہایت سکینت اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور وہ پہلی سی پھُوں پھُوں اور تکبّر اُن میں نہیں رہا اور وہ لوگوں سے لطف اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اسلام سے پہلے وہ جہالت یعنی لڑائی اور جنگ پر فخر کرتے تھے۔ جیسے کہ عمرو بن کلثوم تغلبی کہتا ہے ؎

اَلَا لَا يَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَيْنَا
فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِيْنَا

’’خبردار کوئی ہم پر جہالت نہ کرے۔یعنی ہم سے نہ اُلجھے ورنہ ہم جاہلوں کی جہالت سے بڑھ کر جہالت کا مظاہرہ کریں گے۔‘‘

لیکن عباد الرحمٰن کے گروہ میں داخل ہونے کے بعد وہ جہالت کا جواب سلام سے دیتے ہیں۔

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۔ (الفرقان:۶۴)

کہ جب انہیں جاہل یعنی لڑائی پر اُکسانے والے یا موجبِ غضب و اشتعال حرکات کرنے والے خطاب کرتے ہیں تو وہ جواباً کہتے ہیں کہ ہم تو صلح و سلامتی اور امن کے خواہاں ہیں اور کسی حالت میں بھی شر پسند نہیں کرتے۔

پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو زمانۂ جاہلیت میں مَے نوشی، قمار بازی، عورتوں سے معاشقہ، رقص وغنا اور لہو ولہب میں اپنی راتیں گزارتے تھے اب انہوں نے مصائب سے کنارا ہی نہیں کیا بلکہ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (الفرقان:۶۵)۔یعنی وہ اپنی راتیں عبادتِ الٰہی اور اپنے مولیٰ کے حضور قیام اور سجود میں گزارتے ہیں۔اور ایک دوسری آیت میں فرمایا:-

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۔

(السجدۃ:۱۷)

کہ اُن کے پہلو اپنے بستروں سے الگ ہوتے ہیں اور وہ اپنے ربّ کے حضور گڑگڑاتے اور دعائیں کرتے ہیں۔

جاہلیت میں انہیں آخرت کا کوئی خیال نہ تھا۔ان کا مقولہ تھا۔کھاؤ، پیو اور عیش اڑاؤ کل تو مر ہی جانا ہے۔یا پنجابی مَثل ''ایہہ جگ مِٹھاتے اگلا کِن ڈِٹّھا'' کے مطابق اپنی زندگی گزارتے تھے۔اِس لئے ان کے نزدیک گناہ کوئی قابلِ سزا چیز ہی نہ تھی لیکن اسلام لانے کے بعد اُن کی حالت یہ ہوگئی کہ وہ اپنے ربّ سے دُعا کرتے ہیں۔ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ (الفرقان:٦٦) اے ہمارے ربّ ہمیں جہنّم کے عذاب سے بچانا۔گویا اب انہیں ہر وقت آخرت کا خیال رہتا ہے۔

جاہلیت میں تو وہ رسم ورواج، راگ ورنگ، نام ونمود اور عیّاشی و بدقماشی میں مال برباد کرنے میں تو اَنَا وَ لَا غَیۡرِیۡ کا دم بھرتے تھے۔لیکن غریبوں اور مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں پر خرچ کرنے سے مرتے تھے۔یہی تھے جو اسلام کے بعد لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا (الفرقان:٦٨) کہ نہ وہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی نیکی کے کاموں میں بخل سے کام لیتے ہیں۔اب اُن کا انفاق مال دونوں حالتوں کے درمیان حدِّ اعتدال پر ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں سارا جزیرۂ عرب بُت پرستی و بدمستی، دغا وفریب اور قتل وغارت وغیرہ کے بحرِ زخّار میں ازسرتاپا غرق تھا بُت پرستی کی یہ حالت تھی کہ ہر قبیلہ کا ایک علیحدہ بُت تھا۔تین سو ساٹھ بُت تو خانہ کعبہ میں نصب تھے اور قریش بُت پرستی کو اپنی زندگی اور موت کا سوال سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے إِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ أَرۡضِنَا (القصص:٥٨)۔اگر ہم اسلام قبول کرلیں اور بُت پرستی چھوڑ دیں تو پھر ہمارا زمین میں کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بُت پرستی سرزمینِ عرب سے ایسی نابود

ہوئی کہ چودہ سو سال کے لمبے عرصے میں پھر کبھی رونما نہیں ہو سکی۔ اور توحید الٰہی اُن کے رگ و ریشہ میں ایسی سرایت کر گئی کہ انہوں نے دین کی اشاعت کے لئے ہر قسم کے مظالم اور مصائب برداشت کئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرکوں نے ایک موقعہ پر قید کر لیا تھا۔ جب اُن کے قتل کئے جانے کا مقررہ وقت آ گیا اور انہوں نے اپنا سر قتل کے لئے جلّاد کے سامنے رکھ دیا تو جلّاد کے تلوار چلانے سے پہلے انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

وَ لَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ
وَ ذٰلِكَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَ اِنْ یَّشَأْ
یُبَارِكْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

”جبکہ مَیں مُسلم ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اِس امر کی کچھ پرواہ نہیں کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی خاطر قتل کے وقت کس پہلو پر گرتا ہوں اور یہ میرا قتل ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہے اگر وہ چاہے تو میرے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔“

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری شعر کو ختم کرنا تھا کہ جلّاد کی تلوار اُن کی گردن پر پڑی اور سر تن سے جُدا ہو گیا۔ یہ بڑا ہی دردناک و دلگداز منظر تھا۔ جو لوگ اس واقعہ کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے اُن میں سے ایک سعید بن عامر بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جب کبھی اُن کے سامنے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا ذکر ہوتا تو اُن پر غش آ جایا کرتا تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے

والے تو مِٹ گئے، اُن کا کوئی نام ونشان نہ رہا لیکن حضرت خبیبؓ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں ۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

پھر جاہلیت میں وہ رہزن اور قزّاق تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر اُن میں جنگ چھڑ جاتی جو مہینوں اور سالوں تک جاری رہتی لیکن اسلام اختیار کرنے کے بعد اُن کی یہ حالت ہوگئی وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الفرقان:٦٩) کہ وہ کسی ایسے نفس کو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے اِس شریعت میں جائز قرار نہیں دیا قتل نہیں کرتے۔ پہلے اُن کے نزدیک زنا، بدکاری وغیرہ باعثِ فخر تھے۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد وہ زنا کے قریب بھی نہیں جاتے۔

مرثد الغنویؓ ایک مضبوط جوان مرد تھے۔ مکّہ سے مسلمان قیدی چُھڑا کر مدینہ لے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جب انہوں نے ایک قیدی کو آواز دی تو مکّہ کی ایک کنچنی جس کا نام عَناق تھا اور مرثدؓ کی دوست رہ چکی تھی اُدھر آ نکلی۔ مرثدؓ کو دیکھ کر اُسے اَھْلاً وَ مَرْحَبًا کہا اور بصد اصرار کہا کہ آج رات میرے پاس گزارو۔ مرثدؓ نے اُسے جواب دیا۔ اے عَناق! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا حرام کر دیا ہے۔ جب اُس نے دیکھا کہ مرثد انکار پر مُصر ہے تو اُس نے شور مچا دیا اور کہا لوگو! یہ ہے وہ شخص جو تمہارے قیدی چُرا کر لے جاتا ہے۔ مرثدؓ وہاں سے بھاگ کر خنذمہ پہاڑ کی ایک غار میں چھُپ گئے۔ آٹھ شخص آپ کی تلاش میں نکلے اور وہ اُس غار کے پاس پہنچے اور بعض نے اُن میں سے وہاں پیشاب کیا جو مرثدؓ پر گرا

لیکن وہ اُسے دیکھ نہ سکے اور واپس چلے گئے۔ بعد میں مرثدؓ دوبارہ اُس قیدی کے پاس گیا اور اُسے اپنے ساتھ مدینہ لے آیا۔

یہ واقعہ ’’ لَا یَزْنُوْنَ ‘‘ کی ایک زبردست شہادت ہے۔ ایک عورت جو کنچنی ہے اور اسلام سے پہلے اُس کی یارِ غار رہ چکی تھی، وہ اپنے پاس شب باشی کے لئے بُلاتی ہے اور وہ اپنی جان کو خطرے میں دیکھتے ہوئے بھی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا حرام کر دیا ہے اس لئے اب مَیں اس کے قریب نہیں جا سکتا۔　(سنن نسائی کتاب النکاح باب تزویج الزانیۃ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَ إِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان: ۷۳) وہ لوگ جن کی یہ حالت تھی کہ جھوٹ اور سچ میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے اب وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور نہ ہی جھوٹے معاہدات کرتے ہیں۔ اور جب لوگ لغو کاموں میں مشغول ہوں تو وہ اُن کے ساتھ شامل نہیں ہوتے۔

پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو پہلے نہ حق بات سُنتے تھے نہ اُسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اَب اُن کی یہ حالت ہے۔ وَالَّذِیْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (الفرقان: ۷۴) کہ جب اُنہیں اُن کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ خوب غور و فکر سے اُن پر عمل کرتے ہیں بہروں اور اندھوں کی طرح اُن پر نہیں گرتے۔

جاہلیت میں وہ ناپاکی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ روحانیت کا نام و نشان نہ تھا لیکن اب وہ پاکیزگی، روحانیت، تقویٰ، پرہیزگاری اور طہارت کے ایسے عاشق ہیں

کہ کہتے رہتے ہیں۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا (الفرقان: ۷۵) یعنی اے ہمارے ربّ! تُو ہماری بیویوں اور ہماری اولادوں کو روحانیت کے سانچے میں ایسا ڈھال کہ وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہوں اور ہمیں متقیوں کا امام اور پیشوا بنا۔ اِس آیت میں اُن کے روحانی کمال کا ذکر کیا ہے کہ اُن کی زندگی تقویٰ اور روحانیت کے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکی ہے کہ غیر متقی کی صحبت اُن کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں کہ اُن کے ساتھی، اُن کے رشتہ دار اور تعلق وقرابت والے سب متقی اور پاک ہوں۔

اِس انقلاب نے اُن کے ذہنوں کے تصوّرات اور نگاہوں کے زاویے اور فکرونظر کے اسلوب یکسر بدل دیئے۔ اُن کی صدیوں سے مَری ہوئی قوتیں زندہ ہوگئیں اور ایک عالَم کی زندگی کا باعث بنیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ ذیل شعروں میں اسی غیر معمولی اور بے نظیر انقلاب کا ذکر فرمایا ہے ؎

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبیؐ کامل نہیں　　وحشیوں میں دیں کو پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار
پر بنانا آدمی وحشی کو ہے اِک معجزہ　　معنیٔ رازِ نبوت ہے اِسی سے آشکار
نور لائے آسماں سے خود بھی وہ اِک نُور تھے　　قومِ وحشی سے اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار
روشنی میں مِہرِ تاباں کی بھلا کیا فرق ہو
گرچہ نکلے روم کی سرحد سے یا از زنجبار

۴۰- يَا لَلْفَتٰى مَا حُسْنُهٗ وَ جَمَالُهٗ
رَيَّاهُ يُصْبِي الْقَلْبَ كَالرَّيْحَانِ

معانی الالفاظ۔ اَلرَّیُّ ۔راء کی زیر سے حسین وجمیل منظر۔راء کی زبر سے،خوشبو۔یُصْبِیْ - اَصْبٰی سے مضارع کا صیغہ ہے۔ اَصْبَی الشَّیْءُ فُلَانًا اس چیز نے فلاں کو اپنا مشتاق اور فریفتہ بنالیا۔ اَلرَّیْحَانُ ہر خوشبو رکھنے والا پودا۔

ترجمہ۔ واہ کیسا خوبصورت اور صاحبِ جمال مرد ہے جس کی خوشبو دل کو ریحان کی طرح شیفتہ کرلیتی ہے۔

۴۱- وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِيْ وَجْهِهٖ
وَ شُئُوْنُهٗ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ

معانی الالفاظ۔ وَجْهٌ ۔عربی زبان میں اس کے بہت سے معانی ہیں۔ چہرہ،قصد اور نیّت۔عمل جو انسانی توجہ کا مقصود ہو۔رضا اور پسندیدگی وغیرہ۔ شُئُوْنٌ شَأْنٌ کی جمع ہے۔کوئی عظیم الشان امر یا حالت۔ کہا جاتا ہے مِنْ شَأْنِهٖ كَذَا أَوْ اَنْ يَّفْعَلَ كَذَا ۔یعنی اس کی طبیعت یا خُلق ایسا ہے یا اُس کی عادت ہے کہ ایسا کرے۔

ترجمہ۔ اُس کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نظر آتا ہے اور اُس کے تمام احوال اور

اموراسی شان کے ساتھ چمکتے ہیں۔

شرح۔ پہلے مصرعہ کے معنے لغت کے لحاظ سے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اُس کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا ظاہر ہے اور اس کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کی مظہر ہے اور اس کے تمام عظیم الشان کاموں میں یہی شان دکھائی دیتی ہے۔

اِس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور فضیلت کا ذکر فرمایا ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی ذات کے کامل مظہر ہیں ۔ انبیائے سابقین اور صالحین علیٰ قدرِالمراتب مظہرِ صفاتِ الٰہیہ بنے لیکن اُن میں سے کوئی اُس کی صفات کا کامل مظہر نہ ہوا۔ کامل مظہر صرف آپؐ ہی تھے ۔سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی چار عظیم الشان صفات کا ذکر ہے ۔ مالکیت ، رحیمیت ، رحمانیت اور ربّ العالمین ہونا۔ ظاہر ہے کہ آپؐ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ خاص خاص قوم یا علاقے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، وہ اِن چاروں صفات کے مظہر بنے لیکن نہ کامل طور پر بلکہ جزوی لحاظ سے ۔مثلاً وہ صفتِ ربوبیت کے مظہر تھے لیکن صفتِ ربّ العالمین کے مظہر نہ تھے کیونکہ وہ تمام قوموں کے لئے مبعوث نہ ہوئے تھے ۔اُن کی بعثت کا زمانہ بھی محدود تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام قوموں اور تمام آئندہ آنے والے زمانوں کے لئے مبعوث ہوئے اس لئے آپ ہی صفت ربّ العالمین کے کامل مظہر ہوئے ۔ یہی صورت بقیّہ صفات کی ہے ۔مثلاً صفت رحمانیت کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں سورج ، چاند، ہوا، آسمان وزمین وغیرہ پیدا کی ہیں وہ ایسی ہیں جن سے سب کافر ومومن یکساں مستفید ہوتے ہیں ۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برخلاف پہلے انبیاء کے تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوئے اور آپؐ کی روشنی اور آپؐ کا

نورسورج کے نُور کی طرح کسی خاص قوم تک محدود اور آپؐ کا فیض کسی جہت اور مکان وزمان سے مخصوص نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے عام علیٰ سبیل الدوام جاری ہے اور کبھی منقطع نہ ہوگا۔اُن کے لئے بھی جو اہل کتاب تھے اور اُن کے لئے بھی جن کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔لیکن آپؐ سے پہلے جس قدر نبی آئے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے کامل مظہر نہ ہوئے۔اِسی لئے مسیح علیہ السلام نے صرف بنی اسرائیل سے خطاب کیا اور فرمایا کہ مَیں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔دوسری قومیں جو اس وقت فلسطین میں موجود تھیں اُن کو اُن کی حالت کے لحاظ سے سؤر اور کتّے تو قرار دیا لیکن تبلیغ نہیں کی۔اِسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا دائرۂ تبلیغ بنی اسرائیل تک محدود رکھا۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں کو تبلیغ کی۔قیصرِ روم کو بھی دعوت دی، کسریٰ کو بھی، مصر اور دیگر ممالک کے بادشاہوں کو بھی تبلیغی خطوط لکھے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ شان عطا فرمائی تھی کہ ؎

آفتابِ ہر زمین و ہر زمان　　　رہبرِ ہر اسود و ہر احمرے

(براہین احمدیہ حصہ اوّل روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۱۹)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے صرف آپؐ ہی مظہر بنے۔مصنّف قصیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

زاں نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد　　　پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم

بوئے محبوبِ حقیقی میدہد زاں روئے پاک　　　ذاتِ حقّانی صفاتش مظہرِ ذاتِ قدیم

(توضیح مرام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۶۲)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دلبر (اللہ تعالیٰ) میں اِس طرح محو ہو گئے کہ کمال اتحاد کی وجہ سے آپؐ کی صورت بالکل ربّ رحیم کی صورت بن گئی۔ آپؐ کے رُوئے پاک سے محبوبِ حقیقی کی مہک آ رہی ہے۔ آپؐ کی ذات حقّانی صفات ذاتِ قدیم (اللہ تعالیٰ) کا مظہر بن گئی۔

۴۲- فَلِذَا يُحَبُّ وَيَسْتَحِقُ جَمَالُهٗ
شَغَفًا بِهٖ مِنْ زُمْرَةِ الْاَخْدَانِ

معانی الالفاظ۔ اَلشَّغُفُ : اَقْصَى الْحُبِّ۔ انتہائی محبت ۔ اَخْدَانٌ -خِدْنٌ کی جمع ہے۔صالح دوست ۔ زُمْرَةٌ ۔گروہ، جماعت ۔اس کی جمع زُمَرٌ ہے۔

ترجمہ۔ اسی لئے وہ محبوب ہے اور اُس کا جمال اِس لائق ہے کہ دوستوں کی جماعت کو چھوڑ کر اس سے دل بستگی پیدا کر لی جائے۔

شرح۔ آپؑ فرماتے ہیں۔ جب کہ میرا محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہرِ کامل ہے تو اس کامل وجود کو چھوڑ کر کوئی دوسرا محبوب کیوں بنایا جائے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسری شادی کا ارادہ کیا۔ اس کی بیوی نے قاضی سے درخواست کی کہ اُسے دوسری شادی کی اجازت نہ دی جائے۔ تاریخ پیشی پر جب اُس کی بیوی سے دلیل طلب کی گئی تو اُس نے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا دی اور کہا کہ

ایسی خوبصورت اور حسین عورت کے ہوتے ہوئے اُسے دوسری شادی کی اجازت قطعاً نہ ملنی چاہیے۔ایک صوفی صاحب بھی اُس مجلس میں موجود تھے۔ان کو یہ سُن کر غش آ گیا۔حاضرین میں سے کسی نے طنزاً کہا۔لو اِن کے تصوّف کی حقیقت بھی آشکار ہوگئی۔ایک عورت کے حسن کی تاب نہ لا کر غش کھا گئے۔صوفی صاحب نے ہوش میں آ کر کہا کہ مجھے تو ایک عورت کے حسن سے اللہ تعالیٰ کے حسن کا جلوہ نظر آ گیا۔ جب ایک حسین عورت کو اپنے حسن پر اتنا ناز ہے کہ وہ اپنا شریک برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تو اللہ تعالیٰ نے جو تمام حسینوں سے بڑھ کر حسین اور مخزن و مصدرِ جمال ورَعنائی ہے اپنے لئے شریک کیونکر گوارا کرسکتا ہے اور اس کی غیرت کس طور پر برداشت کرسکتی ہے کہ اُس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔

پس آپؑ فرماتے ہیں کہ جب میرا محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ جمیل اور خوبصورت ہے تو پھر دوسروں کو چھوڑ کر اُسی سے محبت کیوں نہ کی جائے۔

۴۳۔ سُبُحٌ کَرِیْمٌ بَاذِلٌ خِلُّ التُّقٰی
خِرْقٌ وَ فَاقَ طَوَائِفَ الْفِتْیَانِ

معانی الالفاظ۔ سُبُحٌ ۔نرم مزاج ،سہل الوصول ،خوش خُلق ۔ بَاذِلٌ ۔خرچ کرنے والا،سخاوت کرنے والا۔ خِلٌّ ۔دوست۔ خِرْقٌ ۔سخی،کریم۔ اس کی جمع اَخْرَاقٌ و خِرَاقٌ ہے۔ طَوَائِفُ ۔گروہ۔ طَائِفَۃٌ کی جمع ہے۔

ترجمہ۔ وہ خوش خُلق، معزّز، صاحبِ جُود وعطا، تقویٰ دوست، کریم وسخی ہے اور سب جوانوں پر فائق ہے۔

شرح۔ اِس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اور خوبیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف میں فرمایا ہے:۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:۵)

کہ آپ اخلاق کے انتہائی کمال سے متّصف ہیں۔

۴۴۔ فَاقَ الْوَرٰی بِكَمَالِهٖ وَ جَمَالِهٖ
وَ جَلَالِهٖ وَ جَنَانِهِ الرَّيَّانِ

معانی الالفاظ۔ اَلرَّيَّانُ : عَطْشَانٌ یعنی پیاسے کی ضد ہے۔ سیراب وشاداب۔

ترجمہ۔ وہ سب مخلوقات سے اپنے کمال اور اپنے جمال اور اپنے جلال اور اپنے شاداب دل کے ساتھ فوقیت لے گیا ہے۔

شرح۔ یعنی ان اوصاف میں آپؐ کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں۔ آپ کے جلال کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ آپؐ سے لرزتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اُعْطِيْتُ الرُّعْبَ مَسِيْرَةَ شَهْرَيْنِ کہ دو مہینے کے سفر پر رہنے والی حکومتیں بھی

مجھ سے مرعوب ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط قیصرِ روم کو ملا اور اُس نے ابوسفیان کو بلا کر کچھ حالات دریافت کئے تو اُس کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے:

''لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنُ اَبِیْ کَبْشَةَ اَنَّهٗ یَخَافُهٗ مَلِكُ بَنِی الْاَصْفَرِ۔''

کہ اس شخص کا معاملہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ رُومیوں کا بادشاہ بھی اس سے خوف کھاتا ہے۔

اسی طرح ایک شخص آپؐ کے رُوبرو پیش ہوا تو وہ آپؐ کے رعب سے تھر تھر کانپنے لگا تو آپؐ نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے فرمایا کہ مرعوب مت ہو مَیں تو ایک عورت کا بیٹا ہوں جو قَدِیْد یعنی سوکھا ہوا گوشت کھاتی تھی۔

اِن دوشعروں میں مصنّفِ قصیدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ کو جمع کر دیا ہے۔ اِسی طرح آپؑ ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں ۔

وَ فِیْ مُهْجَتِیْ فَوْرٌ وَجَیْشٌ لِاَمْدَحَا سُلَالَةَ اَنْوَارِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدًا

کَرِیْمُ السَّجَایَا اَکْمَلُ الْعِلْمِ وَ النُّهٰی شَفِیْعُ الْبَرَایَا مَنْبَعُ الْفَضْلِ وَ الْهُدٰی

تَبَصَّرْ خَلِیْلِیْ هَلْ تَرٰی مِنْ مُشَاکِهٍ بِتِلْكَ الصِّفَاتِ الصَّالِحَاتِ بِاَحْمَدَا

بَشِیْرٌ نَذِیْرٌ آمِرٌ مَانِعٌ مَعًا حَکِیْمٌ بِحِکْمَتِهِ الْجَلِیْلَةِ یُقْتَدٰی

''اور میرے دل میں جوش اور ولولہ ہے کہ مَیں مدح کروں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خدائے کریم کے انوار کا خلاصہ ہے۔ اعلیٰ خصائل والا ہے۔ علم وعقل میں کامل ہے۔ مخلوق کا شافع اور فضل وہدایت

کا چشمہ ہے۔ اے مدعی ! دیکھ کوئی اور شخص تجھ کو ان صفاتِ حسنہ
میں احمدؐ کا شریک نظر آتا ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں بشیر و نذیر ہے
اور آمر و ناہی یعنی حکم دینے والا اور منع کرنے والا ہے۔ صاحبِ حکمت
ہے اور اپنی روشن حکمت سے دنیا کا پیشوا بنا ہے۔‘‘

ایک شارع نبی میں اور ہادیٔ کامل میں جن صفات کا پایا جانا ضروری ہے وہ آخری شعر میں نہایت خوبصورت اور دلفریب انداز میں جمع کر دی گئی ہیں۔

۴۵- لَا شَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَيْرُ الْوَرٰى
رَيْقُ الْكِرَامِ وَ نُخْبَةُ الْاَعْيَانِ

معانی الالفاظ۔ رِیْقٌ ۔ قوّت و رُوح۔ اس کی جمع اَرْیَاقٌ اور رِیَاقٌ ہے۔ اور رَیْقٌ بفتح الراء کے معنے اوّل اور افضل کے ہیں۔ نُخْبَۃٌ۔ چیدہ۔ جمع نُخُبٌ ہے۔ اَعْیَانٌ ۔ منتخب لوگ۔ عَیْنٌ کی جمع ہے۔

ترجمہ۔ یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر الوریٰ اور جانِ کرام اور ان کی قوت اور چیدۂ اعیان ہیں۔

۴۶- تَمَّتْ عَلَيْهِ صِفَاتُ كُلِّ مَزِيَّةٍ
خُتِمَتْ بِهٖ نَعْمَآءُ كُلِّ زَمَانٖ

معانی الالفاظ۔ مَزِيَّةٌ ۔ ہر وہ فضیلت جو علم، سخاوت، شجاعت یا شرافت وغیرہ صفات سے حاصل ہو جن کے ذریعہ سے انسان دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے۔اس کی جمع مَزَايَا ہے۔ نَعْمَآءُ ۔احسان، آرام و آسائش، خوشحالی، مال۔اس کی جمع اَنْعُمٌ ہے۔صِفَاتٌ ۔صِفَةٌ کی جمع ہے۔ وہ علامات جن کے ساتھ موصوف کی شناخت ہوتی ہے۔

ترجمہ۔ ہر قسم کی فضیلت کی صفات آپؑ میں علی الوجہ الاتم پائی گئیں اور ہر زمانے کی نعمت آپؑ کی ذات پر ختم ہے۔

شرح۔ اِس شعر کی تشریح میں ایک مبسوط کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اِس میں مصنّفِ قصیدہ نے اپنے محبوب آقا کی چند الفاظ میں ایسی جامع تعریف فرمائی ہے گویا دریا کو کُوزہ میں بند کر دیا ہے۔آپؑ فرماتے ہیں کہ وہ کمالات اور فضائل جن کے ساتھ انسان دوسری مخلوقات سے ممتاز ہوتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں اور ہر زمانے کی نعمت آپؐ کو کامل طور پر عطا کی گئی۔

پہلے مصرعہ میں تو آپؐ کے بنی آدم میں سے کامل انسان ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بحیثیت انسان جس قدر فضائل و کمالات بلحاظ کمیّت و کیفیت کسی انسان

میں ممکن طور پر جمع ہو سکتے تھے وہ آپؐ کی ذات بابرکات میں باحسن وجوہ پائے گئے۔ گویا اس مصرعہ میں حدیث قدسی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کا مضمون ادا کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دائرۂ انسانیت کا نقطۂ مرکز یہ قرار دیا ہے جس پر تمام انسانی کمالات ختم ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۲۸ء کا ذکر ہے جبکہ میں بمقام حیفاؔ ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔ ایک روز جبکہ مَیں اس کی دوسری منزل کی بلکنی (شہ نشین) پر بیٹھا ہوا تھا نابلسؔ کے مشہور دو تاجر جو اُسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے مجھ سے ملے اور دورانِ گفتگو میں اُن میں سے ایک نے اس حدیث کے متعلق سوال کیا۔ مَیں نے اس کا عام مفہوم بتایا لیکن اُس کی تسلّی نہ ہوئی۔ اُس نے کہا یہ بات غیر معقول نظر آتی ہے کہ اگر ایک شخص پیدا نہ ہوتا تو ساری دنیا ہی پیدا نہ کی جاتی۔ اس کے اعتراض سے مَیں نے اپنے دل میں ایک اضطراب کی سی کیفیت محسوس کی اور یہ خواہش زور سے پیدا ہوئی کہ کوئی ایسا حل معلوم ہو جائے جس سے اِن کی تسلّی ہو جائے۔ الحمدللہ! کہ میرے دل میں دفعۃً ایک مضمون ڈالا گیا جو مَیں نے تفصیل سے اُن کے سامنے بیان کیا۔ مَیں نے کہا جب انسان کسی چیز کی ساخت شروع کرتا ہے تو اُس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اُس کو ایسا مکمّل بنائے کہ اُس میں کوئی نقص باقی نہ رہے اور وہ اپنی طرف سے اس میں کوشش کا کوئی پہلو اُٹھا نہیں رکھتا۔ لیکن انسانی کاموں میں نقص رہ جانے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نہ تو انسان کا علم کامل ہوتا ہے اور نہ اُسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً ایک گھڑی ساز جو اپنے فن میں کیسا ہی ماہر کیوں نہ ہو ایسی گھڑی ہرگز نہیں بنا سکتا جو ہر وقت چلتی رہے اور اس میں نقص کبھی پیدا نہ ہو۔ وہ ایسی گھڑی کیوں نہیں بنا سکتا؟ اس لئے کہ اس کو علم تام نہیں اور وہ ایسا میٹریل

پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا جو ہمیشہ ہمیش کام دے اور کوئی خرابی اور نقص کبھی اس میں دخل نہ پا سکے۔ پس انسانی کاموں کا نقص عدم علمِ کامل اور عدم قدرتِ کاملہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور قدیر بھی۔ اس کا عِلم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی کامل۔ پس جب وہ کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کرے تو وہ ناقص کس طرح رہ سکتی ہے۔ اِس حدیث قدسی کا مفہوم یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مَیں نے مخلوقات کا سلسلہ شروع کیا اور تمام مخلوقات میں سے انسان کو اشرف ٹھہرایا تو ضروری تھا کہ مَیں اس اعلیٰ اور کامل انسان کو بھی پیدا کرتا جس پر دائرۂ کمالاتِ انسانی ختم ہو جاتا اور اس سے بڑھ کر کسی انسان میں کمالاتِ انسانی کا پایا جانا متصوّر نہ ہوسکتا۔ اور وہ کامل انسان تُو ہے جو ''ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال'' کا مصداق اور دائرۂ انسانیت کا نقطۂ مرکزیہ ہے۔ اس لئے اگر تیرا پیدا کرنا مدِّ نظر نہ ہوتا تو مَیں سلسلۂ مخلوقات کو شروع ہی نہ کرتا۔ جب شروع کیا تو تیرا (جو کامل انسان ہے) پیدا کرنا بھی ضروری تھا۔ یہ سُن کر وہ دونوں تاجر خوش ہوئے اور کہا کہ آج اِس حدیث کا صحیح مفہوم معلوم ہوا ہے۔

انسانی کمالات میں سے ایک کمال اخلاقِ فاضلہ سے متّصف ہونا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۵) کہ اے رسول تُو خلقِ عظیم پر ہے یعنی ''اپنی ذات میں تمام مکارمِ اخلاق کا ایسا متمم و مکمّل ہے کہ اس پر زیادت متصوّر نہیں۔ کیونکہ لفظ عظیم محاورۂ عرب میں اس چیز کی صفت میں بولا جاتا ہے جس کو اپنا نوعی کمال پُورا پُورا حاصل ہو۔

اخلاقِ فاضلہ میں سے ایک خُلق باوجود سزا دینے کی مقدرت رکھنے کے عفو ہے

اوراس خُلق کا جس رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور ہوا وہ غایت درجہ کامل اور بے نظیر ہے۔

ایک دفعہ آپؐ ایک جنگ سے واپس آ رہے تھے۔ دوپہر کے وقت لشکر نے ایک جگہ قیام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیحدگی میں ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ آپؐ کے ساتھ جو صحابہؓ تھے وہ بھی اپنی اپنی جگہ تلاش کر کے آرام کرنے لگے۔ آپؐ اپنی جگہ پر اکیلے تھے۔ اچانک دَعْثُور نامی ایک دشمن آپ کے پاس جا پہنچا۔ اور آپؐ کی تلوار جو درخت میں لٹک رہی تھی اُس نے اپنے قبضہ میں کر لی۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ اور وہ بولا۔ اے محمدؐ! بتا تمہیں اِس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ ایسے وقت میں بڑے سے بڑے بہادر کے بھی اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپؐ کے توکّل علی اللہ اور شجاعت کا تو عالم ہی اَور تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ! یہ اللہ کا لفظ ایسی جلالی شان اور رُعب ناک آواز میں آپؐ کی زبان سے نکلا کہ اُس کا دل لرزا، جسم کانپا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ اب وہی تلوار آپؐ نے اُٹھا کر فرمایا۔ بتا مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ اُس نے آپ ہی سے معافی چاہی اور آپؐ نے اس جانی دشمن کو معاف کر دیا۔ یہ عفو کی کتنی اعلیٰ اور کتنی شاندار مثال ہے۔

اِسی طرح فتح مکّہ کے دن وہ دشمن آپؐ کے سامنے پیش کئے گئے جنہوں نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر تیرہ سال تک انسانیت سوز مظالم کئے اور تین سال تک مکمل مقاطعہ جاری رکھا۔ جائیدادیں چھین لیں۔ اموال لُوٹ لئے اور وطن سے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اب وہ سب کے سب ایسے آپؐ کے قابو میں تھے

کہ آپ کا ایک ادنیٰ سا اشارہ اُن کے سر قلم کر دیئے جانے کے لئے کافی تھا لیکن آپؐ نے انہیں کوئی سخت لفظ بھی نہ کہا بلکہ صرف یہ دریافت فرمایا۔ ’’مَاذَا تَظُنُّوْنَ اَنِّی فَاعِلٌ بِکُمْ ‘‘ بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے۔ مَیں تم سے کیسا معاملہ کروں گا؟

انتہائی شرم وندامت سے سر جھکائے ہوئے انہوں نے جواب دیا ہم آپؐ سے اُسی سلوک کی توقع رکھتے ہیں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ اس جواب پر آپؐ نے ان کی تمام ستمگاریوں اور ایذاء رسانیوں کو نظرانداز کر کے فرمایا:۔

’’ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَ ھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔ اِذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔

جاؤ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ جاؤ! تم سب آزاد ہو۔‘‘

حدیث میں آتا ہے کہ وہ مسجد الحرام سے ایسے نکلے کَاَنَّمَا خَرَجُوْا مِنَ الْقُبُوْرِ گویا وہ قبروں سے نکلے ہیں۔ اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ فاتحین ممالک میں اِس قسم کے عفوِ عام کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔

اِسی طرح دشمن سے حسنِ سلوک، بددُعا کی جگہ اس کے لئے دُعا۔ اس کی بدی کے بدلے میں نیکی واحسان نہایت بلند پایہ اخلاق میں سے ہیں۔ لندن میں ۱۹۴۵ء سے اوائل ۱۹۴۶ء تک تقریباً ایک سال سے زائد مدت تک مسٹر گرین اور میرے درمیان ہائیڈ پارک میں ہر جمعہ کو مباحثہ ہوتا رہا۔ مسٹر گرین کا بائیبل کے حسابات کی رُو

سے یہ عقیدہ تھا کہ یسوع مسیح ۱۹۵۴ء میں آسمان سے اُتریں گے۔ وہ اس کے متعلق بہت سے اشتہارات بھی شائع کر چکے تھے۔ شرائطِ مباحثہ مختصراً یہ طے پائی تھیں کہ ایک جمعہ کو وہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر جو اعتراضات کرنا چاہیں کریں مَیں اُن کا جواب دوں گا اور ایک جمعہ کو مَیں عیسائیت پر اعتراضات کروں گا اور وہ جواب دیں گے۔ یہ مباحثہ ہر دفعہ تین گھنٹہ ہوا کرتا تھا۔ تقریریں دس دس منٹ کی ہوتی تھیں۔ حاضرین کو بھی سوال کرنے کا حق ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ مباحثات نہایت کامیاب رہے اور آخر کار مسٹر گرین نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور مباحثہ کرنا چھوڑ دیا۔ ایک دن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یسوع کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یسوع مسیح نہایت بلند پایہ اخلاق رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جبکہ وہ صلیب پر لٹکائے جا چکے تھے یہود کے لئے جو آپ کے جانی دشمن تھے اِن الفاظ میں دعا کی۔ ’’اے میرے باپ تُو انہیں بخش دے کیونکہ وہ نہیں جانتے‘‘۔ یعنی عدمِ علم کی وجہ سے وہ مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔ اِس قسم کا اخلاق کا نمونہ کسی نبی نے نہیں دکھایا اور نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے۔

مَیں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں ہم اللہ تعالیٰ کا رسول اور نبی مانتے ہیں اخلاقِ فاضلہ رکھتے تھے لیکن یہ کہنا کہ دوسرے انبیاء اخلاقِ فاضلہ میں اُن کے ہم پلّہ نہ تھے درست نہیں۔ مسٹر گرین کا یہ کہنا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسی کوئی مثال قائم نہیں کی تاریخِ اسلامی سے ناواقفیت کے سبب سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غزوۂ اُحد میں پتھروں سے زخم آئے اور آپؐ بیہوش ہو کر گر پڑے اور کفار نے مشہور کر دیا ’’قُتِلَ مُحَمَّدٌ‘‘ کہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کر دیئے گئے ہیں۔ ہوش میں آنے پر آپؐ اپنے زخموں سے خون پونچھتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے میرے اللہ! تُو میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتے یعنی عدمِ علم کی وجہ سے مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔

دونوں مقدس نبیوں کی دعائیں اِس لحاظ سے تو یکساں معلوم ہوتی ہیں کہ اُن میں اپنے اپنے دشمنوں کی بھلائی چاہی گئی ہے لیکن درحقیقت دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔حضرت مسیحؑ کی دعا تو اُن یہود کا قصور بخش دیئے جانے کے متعلق ہے جو اُن کے صلیب پر لٹکائے جانے کا موجب تھے۔اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا صرف یہی نہیں تھی کہ جن دشمنوں نے آپؐ کو مجروح کیا تھا اُن کا گناہ بخش دیا جائے بلکہ آپؐ کی دُعا یہ تھی کہ اے میرے ربّ تو ان کو ہدایت عطا فرما۔یعنی جو نعمت مجھے بخشی ہے وہی انہیں بھی بخش۔ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا پر جتنی عظیم الشان فوقیت رکھتی ہے وہ ’’عیاں را چہ بیاں‘‘ کی مصداق ہے اور جب ہم دونوں دعاؤں کے نتائج کو دیکھتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی اَور زیادہ شان بڑھ جاتی ہے۔انجیل سے ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ سے یہود نے جو سلوک کیا تھا اُس کی سزا آنجنابؑ نے یہ بتائی کہ اُن سے آسمانی بادشاہت چھین لی جائے گی اور وہ فی الحقیقت چھین لی گئی تو اس سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کی دُعا قبول ہو کر یہود کا گناہ بخش دیا گیا تھا۔ بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کے آڑے وقت کی دعا بھی قطعاً قبول نہیں ہوئی اور یہود کا گناہ ہرگز نہیں بخشا گیا۔اگر بخش دیا گیا ہوتا تو آسمانی بادشاہت اُن سے کیوں چھینی جاتی؟ اور

چونکہ آسمانی بادشاہت یقیناً اُن سے چھینی جا چکی ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دعا جو آپ نے اُن سے گناہ بخشے جانے کے لئے کی تھی قبول نہیں ہوئی ہے۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ اے میرے ربّ! میری قوم کو ہدایت دے قبول ہوگئی اور اس کی مقبولیت فتح مکّہ کے روز بڑی شان وشوکت اور ایسی صفائی سے ظاہر ہوگئی کہ سارے عالَم میں کسی دشمن کے لئے گنجائشِ انکار باقی نہ رہی۔ یعنی جب نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے تمام دشمنوں کو معاف فرما دیا تو وہ سب کے سب ایمان لے آئے اور ہدایت یاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ آپ کی دعا کی مقبولیت کا عظیم الشان نشان بن گئے۔ (شرح زرقانی الفصل الثانی فیما اکرمہ اللہ تعالٰی بہٖ من الاخلاق الزکیۃ۔۔۔ جلد ۶ صفحہ ۹ ۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت۔ لبنان طبع اولٰی)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف عفو و درگزر اور حسنِ سلوک ہی میں بے نظیر تھے بلکہ انسانی کمالات میں شمار کی جانے والی تمام صفات مثلاً جرأت وشجاعت، غیرت وحمیّت، رأفت ورحمت، جُود وسخا، صدق و صفا، لطف وعطا، ایثار ووفا، استقلال واستقامت، صبر وقناعت، توکّل علی اللہ، شفقت علیٰ خلق اللہ وغیرہ میں انتہائی نقطۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

جو دوست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ اور ان نعمتوں کے متعلق جو آپؐ کو دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں بڑھ کر ملیں مفصّل دیکھنا چاہیں تو وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی تفسیر کبیر سورۂ کوثر کی تفسیر مطالعہ فرمائیں۔

دوسرے مصرعہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپؐ پر ہر زمانے کی نعمت ختم کی گئی۔ قرآن مجید میں ظاہری لحاظ سے بڑی نعمت بادشاہت اور رُوحانی لحاظ سے بڑی نعمت نبوت بیان کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رنگ کی ظاہری بادشاہت عطا ہوئی اور جس قسم کی وفادار اور جاں نثار رعیّت ملی تمام دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی زندگی میں آپؐ کو جزیرۂ عرب، یمن، نجد اور بحرین کی حکومت بخشی اور فرمایا ''رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى'' (طٰهٰ: ۱۳۲) کہ تیرے رب نے جو کچھ تجھے عطا کیا ہے وہ بہت عمدہ اور اچھا اور دیرپا ہے۔ آپؐ نے مکّہ معظّمہ و مدینہ منوّرہ کے متعلق خاص طور پر پیشگوئی فرمائی کہ وہ غیر مسلم قوم کے قبضے میں نہیں جائیں گے جو اُن کی تقدیس کی قائل نہ ہو۔ چودہ سو سال سے اس پیشگوئی کی صداقت ظاہر ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو ملک آپؐ کی زندگی میں آپؐ کو عطا فرمایا تھا وہ آپؐ کے پیروؤں کے پاس ہی رہا اور کوئی غیر مسلم حکومت اس پر قابض نہ ہو سکی۔ کیا اِس نعمت کی کوئی مثال ساری دنیا میں سے پیش کی جا سکتی ہے؟

روحانی نعمتِ نبوّت بھی آپؐ کو نہایت اکمل صورت میں ملی اور آپؐ کو خاتم النبیّین کا لقب عطا کیا گیا اور نبوت کی نعمت کے آپؐ پر ختم ہونے سے بھی یہی مراد ہے کہ آپؐ پر کمالاتِ نبوّت ختم ہیں یعنی نبوّت کے جو کمالات دوسرے انبیاء میں جزوی طور پر پائے گئے تھے وہ آپؐ میں کلّی طور پر پائے گئے ہیں اور آپؐ مستجمع جمیع کمالاتِ نبوت ہیں یعنی نبوت کا کوئی درجہ اور کوئی مقام ایسا نہیں جو کسی اور نبی کو تو حاصل ہوا ہو لیکن آپؐ کو حاصل نہ ہوا ہو۔

پھر آپؐ کا خاتم النبیّین ہونا آپؐ کے جامع کمالات اور تمام انبیاء سے افضل

ہونے کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اس لئے بھی ہے کہ آپؐ کا فیض تمام نبیوں کے فیض سے زیادہ ہے۔ پہلے کسی نبی کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا کہ اس کے فیض سے کسی کو نبوّت کی نعمت ملی ہو اور وہ اُمّتی نبی کہلایا ہو۔ یہ اعزاز بوجہ خاتم النبیّین ہونے کے صرف آپؐ ہی کو حاصل ہوا ہے۔ ایک آپؐ ہی ہیں جن کی کامل اطاعت سے ایک مومن کو بوقت ضرورت مقامِ نبوّت بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ اور یہ امر منافیٔ آیت خاتم النبیّین نہیں۔ چنانچہ حضرت امام ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''موضوعاتِ کبیر'' میں فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے یا حضرت عمرؓ کو منصبِ نبوّت حاصل ہو جاتا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہی رہتے۔ وَ هٰذَا لَا یُنَاقِضُ قَوْلَهٗ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اِذِالْمَعْنٰی اَنَّهٗ لَا یَأْتِیْ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ یَنْسِخُ مِلَّتَهٗ وَ لَمْ یَکُنْ مِّنْ اُمَّتِهٖ اور یہ اس کے قول خاتم النبیین کے مخالف نہیں ہے کیونکہ خاتم النبیین ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپؐ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔ اسی طرح آپ نے ''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' کے متعلق بھی یہی فرمایا ہے کہ اس کے معنے علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی ناسخِ شریعتِ محمدؐیہ نہیں ہوگا۔ اور امام محمد طاہر السندی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ''قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَآءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ'' کے یہی معنے کئے ہیں کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تو کہو لیکن یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا کیونکہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو شریعتِ محمدؐیہ کو منسوخ کرے۔

انبیائے سابق کے فیض سے اُن کے متّبعین روحانیت کے صرف تین مراتب حاصل کر سکتے تھے۔ وہ صدّیق بن سکتے تھے، شہید بن سکتے تھے، صالح بن سکتے تھے۔ لیکن سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فخر حاصل ہے کہ آپؐ کے وسیلہ و طفیل سے آپؐ کے ایک اُمّتی کو عندالضرورت مقامِ نبوّت بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

> ''یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے سید و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر خدا تعالیٰ کی طرف سے نشان اور معجزات ملے وہ صرف اُس زمانہ تک محدود نہ تھے بلکہ قیامت تک اُن کا سلسلہ جاری ہے اور پہلے زمانوں میں جو کوئی نبی ہوتا تھا وہ کسی گزشتہ نبی کی اُمّت نہیں کہلاتا تھا گو اُس کے دین کی نُصرت کرتا تھا اور اُس کو سچا جانتا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ایک خاص فخر دیا گیا ہے کہ وہ اِن معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالاتِ نبوّت اُن پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ اُن کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو اُن کی اُمّت سے باہر ہو بلکہ ہر ایک کو جو شرفِ مکالمہ الٰہیہ ملتا ہے وہ انہیں کے فیض اور انہیں کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ اُمّتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی۔''

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۳۸۰)

۴۷- وَاللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا کَرِدَافَۃٍ
وَ بِہِ الْوُصُوْلُ بِسُدَّۃِ السُّلْطَانِ

معانی الالفاظ-رِدَافَۃٍ :اَلْاِسْمُ مِنْ اَرْدَافِ الْمُلُوْكِ فِیْ زَمَنِ الْجَاھِلِیَّۃِ -یعنی جاہلیت میں بادشاہ جو اپنا رِدْف بناتے تھے اس سے اسم ہے اور اس کے ایک معنے اُس سوار کے ہیں جو دوسرے سوار کے پیچھے سوار ہو۔ اور زمانۂ جاہلیت میں رِدْف بادشاہ کا جلیس ہوتا تھا جو اُس کے دائیں جانب بیٹھتا اور بادشاہ کے پینے کے بعد پیتا۔ اور جنگ کے زمانہ میں بادشاہ کا قائم مقام ہوتا تھا اور جب بادشاہ کا کوئی لشکر فتح پا کر واپس آتا تو اس سے غنیمت کا چوتھا حصّہ وصول کرتا تھا۔ اور اس کی جمع اَرْدَافٌ ہے ۔ لسان العرب میں ہے - اِرْدَافُ الْمُلُوْكِ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ کَانُوْا یُخْلِفُوْنَھُمْ فِی الْقِیَامِ بِاَمْرِ الْمَمْلَکَۃِ بِمَنْزِلَۃِ الْوُزَرَآءِ فِی الْاِسْلَامِ یعنی زمانۂ جاہلیت میں بادشاہوں کے اِرْدَاف امورِ مملکت کے سرانجام دینے میں اُن کے قائم مقام یا جانشین ہوتے تھے جیسے کہ وزراء زمانۂ اسلام میں۔ اِس کی واحد رِدْفٌ اور اسم رِدَافَۃٌ ہے۔ جیسے وزیر سے وزارت۔

سُدَّۃٌ : بَابُ الدَّارِ ۔ گھر کا دروازہ۔ دہلیز۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت خلیفۃ اللہ کی ہے اور آپؐ ہی کے ذریعہ دربارِ شاہی تک رسائی ہوسکتی ہے۔

شرح۔ یہ شعر درحقیقت آیت دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم: ۹، ۱۰) کی تفسیر ہے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیر الی اللہ کرتے کرتے کامل طور پر متخلق باخلاق اللہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے۔ پھر آپؐ کی تدلّی ہوئی یعنی خلق اللہ کی طرف نزول کیا اور لوگوں کی اصلاح اور اُن کی بھلائی میں بدل وجان مصروف ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''اس جگہ ایک ہی دل میں ایک حالت اور نیت کے ساتھ دو قسم کا رجوع پایا گیا۔ ایک خدائے تعالیٰ کی طرف جو وجود قدیم ہے اور ایک اُس کے بندوں کی طرح جو وجود محدَث ہے۔ اور دونوں قسم کا وجود قدیم اور حادث ایک دائرہ کی طرح ہے جس کی طرف اعلیٰ وجوب اور طرفِ اسفل اِمکان ہے۔ اب اس دائرہ کے درمیان میں انسانِ کامل بوجہ دَنُوّ اور تَدَلّٰی کی دونوں طرف سے اِتّصال محکم کر کے یوں مثالی طور پر صورت پیدا کر لیتا ہے جیسے ایک وتر دائرے کے دو قوسوں میں ہوتا ہے۔ یعنی حق اور خلق میں واسطہ ٹھہر جاتا ہے۔ پہلے اس کو دَنُوّ اور قربِ الٰہی کی خلعتِ خاص عطا کی جاتی ہے اور قرب کے اعلیٰ مقام تک صعود کرتا ہے اور پھر خلقت کی طرف اس کو لایا جاتا ہے۔ پس اس کا وہ صعود اور نزول دو قوس کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے اور نفس جامع التعلّقین انسان کامل کا ان دونوں قوسوں میں قَابَ قَوْسَيْن کی طرح ہوتا ہے اور

قَابَ عربی کے محاورہ میں کمان کے چلّہ پر اطلاق پاتا ہے۔ پس آیت کے بطور تحت اللفظ یہ معنے ہوئے کہ نزدیک ہوا۔ یعنی خدا سے پھر اُترا یعنی خلقت پر۔ پس اپنے اس صعود اور نزول کی وجہ سے دو قوسوں کے لئے ایک ہی وَتر ہو گیا۔‘‘

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۵۹۰،۵۸۹ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

اس شعر میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ مخلوق اور خالق کے درمیان بطور واسطہ کے ہیں۔ اب نہ تو کوئی شخص آپؐ کے دین کو اختیار کئے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے اور نہ کوئی عمل اس کے نزدیک قابلِ قبول ہو سکتا ہے جب تک کہ آپؐ کی شریعت کے مطابق نہ ہو اور آپؐ کے طریقہ پر نہ کیا جائے۔ اور قصیدہ کے مطلع میں یہ بتایا تھا کہ اب فیضِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ صرف آپؐ کا وجودِ باجود ہے جو آپؐ کے چشمۂ فیض سے نہیں پیتا وہ محروم ازلی ہے کیونکہ باقی تمام چشمے خشک ہو چکے ہیں۔ گویا آپؐ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان ایسے مقام پر فائز ہیں کہ نہ کوئی شخص بغیر آپؐ کو واسطہ بنائے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے اور نہ فیضِ الٰہی کا مورد ہو سکتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے کی آپؐ کو واسطہ بنائے بغیر کوئی صورت نہیں۔ میرے نزدیک یہ شعر اور اس سے پہلا شعر اس قصیدہ کے بَيْتُ الْقَصِيْد ہیں۔

۴۸- هُوَ فَخْرُ كُلِّ مُطَهَّرٍ وَّ مُقَدَّسٍ
وَ بِهٖ يُبَاهِي الْعَسْكَرُ الرُّوْحَانِيْ

معانی الالفاظ- یُبَاهِیْ ۔ بَاھٰی سے مضارع کا صیغہ ہے۔ بَاھَاہُ فِی الْحُسْنِ ۔اس نے حُسن میں دوسرے پر مفاخرت کی۔

ترجمہ- آپؐ ہر مطہّر و مقدس کے فخر ہیں اور روحانی لشکر آپؐ ہی کے وجود پر مفتخر اور نازاں ہے۔

۴۹- هُوَ خَيْرُ كُلِّ مُقَرَّبٍ مُتَقَدِّمٍ
وَ الْفَضْلُ بِالْخَيْرَاتِ لَا بِزَمَانٖ

معانی الالفاظ- خَیِّرٌ ۔جس میں بہت بھلائی پائی جائے۔کسی چیز کا مع اپنے ضروری لوازمات اور کمالات کے پایا جانا۔بہتر اور افضل۔اِس کی جمع خَیْرَات ہے۔

ترجمہ- آپؐ ہر گزشتہ مقرّب سے افضل ہیں اور فضیلت کا رہائے خیر پر موقوف ہے نہ کہ زمانہ پر۔

شرح- پہلے مصرعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے افضل اور بہتر ہونے کا ذکر ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے محبوب

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں:

”ہم جب انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوّت میں سے اعلیٰ درجہ کا جوانمرد نبی اور زندہ نبی اور خدا کا اعلیٰ درجہ کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں یعنی وہی نبیوں کا سردار، رسولوں کا فخر، تمام مرسلوں کا سرتاج جس کا نام محمد مصطفیٰ واحمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے زیرِ سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے جو پہلے اُس سے ہزار برس تک نہیں مل سکتی تھی۔“ (سراج منیر روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۸۲)

اور دوسرے مصرعہ میں فضیلت کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ پہلے یا پیچھے ہونا کوئی فضیلت کا باعث نہیں بلکہ فضیلت کمالات اور اعلیٰ درجہ کے نافع اعمال پر موقوف ہے۔ یہی بات خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے معنے بیان کرتے ہوئے مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب ”تحذیر النّاس“ میں لکھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

”اوّل معنے خاتم النبیین کے معلوم کرنے چاہئیں تا کہ فہم جواب میں کچھ دِقّت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خَاتَم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدّم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقامِ مدح میں وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا اِس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر

اِس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہیے اور اس مقام کو مقامِ مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخّر زمانی صحیح ہو سکتی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۷ شائع کردہ مکتبہ قاسم العلوم جے۔ون ۱۴۰ کراچی نمبر ۱۳، اشاعت یکم جولائی ۱۹۷۶ء)

پھر آیت خاتم النبیّین کا یہ حاصل مطلب لکھتے ہیں:

"ابوّتِ معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوّتِ معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو لفظ خاتم النبیّین شاہد ہے۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۱۸ شائع کردہ مکتبہ قاسم العلوم جے۔ون ۱۴۰ کراچی نمبر ۱۳، اشاعت یکم جولائی ۱۹۷۶ء)

پھر لکھتے ہیں۔

"اگر خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصفِ نبوّت لیجئے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افرادِ مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے بلکہ اِس صورت میں فقط انبیاء کی افرادِ خارجی ہی پر آپؐ کی افضلیت ثابت نہیں ہوگی بلکہ افرادِ مقدرہ پر بھی آپؐ کی افضلیت ثابت ہوگی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدیؐ میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۴۶ شائع کردہ مکتبہ قاسم العلوم جے۔ون ۱۴۰ کراچی نمبر ۱۳، اشاعت یکم جولائی ۱۹۷۶ء)

اس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ہونے کا ذکر ہے کیونکہ آپؐ

مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ مقربانِ الٰہی ہیں اور افضلیت میں زمانہ کو دخل نہیں بلکہ فضیلت کمالات اور اچھے کارناموں پر موقوف ہے۔اس لئے آپؐ خواہ کسی زمانہ میں ہوتے اور آپؐ کے بعد کتنے ہی مقربانِ الٰہی ہوتے آپ اُن سب سے افضل ہی رہتے۔

۵۰- وَ الطَّلُّ قَدْ يَبْدُوْ اَمَامَ الْوَابِلِ
فَالطَّلُّ طَلٌّ لَيْسَ كَالتَّهْتَانِ

معانی الالفاظ۔اَلطَّلُّ ۔ہلکی بارش یا شبنم۔اس کی جمع طِلَالٌ اور طَلَلٌ ہے۔ وَابِلٌ : سخت بارش۔اَلتَّهْتَانُ : موسلا دھار بارش کا ہونا جو پے در پے ہوتی ہے۔

ترجمہ۔اور موسلا دھار بارش سے پہلے ہلکی بارش (پھوار) آتی ہے لیکن پھوار پھوار ہی ہے وہ موسلا دھار کی مانند نہیں ہوسکتی۔

شرح۔اس شعر میں اس سوال کا جواب دیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام مقرّبانِ بارگاہِ الٰہی سے افضل ہیں تو پھر ان انبیاء کے متعلق کیا کہتے ہیں جو آپؐ سے پہلے خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے گئے؟ آپ فرماتے ہیں ان کی مثال اس ہلکی بارش کی سی ہے جو بڑی بارش کے آنے کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور وہ بتاتی ہے کہ اب بڑی بارش ہونے والی ہے۔اِسی طرح پہلے انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری دینے کے لئے آئے تھے اور ان کا وجود علامت تھی اِس امر کی کہ نبیوں کا سردار، رسولوں کا سرتاج خاتم الانبیاء سیّد الِانس والجانّ حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہونے والا ہے۔

۵۱- بَطَلٌ وَحِیْدٌ لَا تَطِیْشُ سِهَامُهٗ
ذُوْ مُصْمِیَاتٍ مُوْبِقُ الشَّیْطٰنِ

معانی الالفاظ۔ بَطَلٌ۔ پہلوان۔ اَلَّذِیْ تَبَطَّلَ عِنْدَهُ الدِّمَآءُ وَ تَذْهَبَ هَدَرًا۔ یعنی جس سے خون کا بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔ اور اس کے یہ معنے بھی کئے جاتے ہیں۔ جس تک پہنچنے کے تمام حیلے ناکام ہو جاتے ہیں۔ مُصْمِیَاتٌ۔ مُصْمِیَةٌ کی جمع ہے۔ اَصْمٰی سے اسم فاعل ہے۔ اَصْمَی الصَّیْدَ کے معنے ہیں شکار کو تیر چلا کر اس کی جگہ اُسے مار گرایا اِس حال میں کہ وہ اُسے دیکھتا ہو۔ مُوْبِقٌ۔ اَوْبَقَ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اَوْبَقَهٗ کے معنے ہیں اُسے ہلاک کر دیا۔

ترجمہ۔ آپؐ ہی ایک پہلوان ہیں جس کے تیر کبھی خطا نہیں جاتے۔ آپؐ کبھی نشانہ خطا نہ کرنے والے مہلک تیروں کے مالک اور شیطان کے ہلاک کنندہ ہیں۔

شرح۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ہیبت اور ایسا رعب عطا فرمایا تھا کہ دشمن کو مقابلہ کرنے کی ہمّت نہیں پڑتی تھی۔ ایک دفعہ ابوجہل نے جو کہ مکّہ والوں میں بہادر مانا جاتا تھا ایک شخص کا کچھ روپیہ دینا تھا اور ادا نہیں کرتا تھا۔ مکّہ والوں میں سے بعض نے اُس سے کہا کہ تم محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ۔ یہ ایک شرارت تھی۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپؐ اس کے ساتھ نہ جائیں گے تو

حلف الفضول کی قسم توڑنے والے قرار پائیں گے اور اگر چلے گئے تو ایذا اٹھائیں گے۔ جب وہ قرض خواہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی تو آپؐ بلا تأمل اس کے ساتھ ہو لئے اور ابو جہل کے دروازے پر جا پہنچے۔ جب دستک دینے پر وہ باہر آیا تو آپؐ نے اُسے فوراً قرض ادا کر دینے کی طرف توجہ دلائی۔ اور اس نے بلا چون و چرا اُسی وقت اُس کا قرض ادا کر دیا۔ رؤسائے مکّہ نے اس کو ملامت کی کہ تم ہم سے تو یہ کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تنگ کرو اور اس کی کوئی بات نہ مانو اور خود اس کی بات مان لی۔ ابو جہل نے جواباً کہا کہ خدا کی قسم اگر تم میری جگہ ہوتے تو تم بھی یہی کرتے۔ مَیں نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں دو مست اونٹ کھڑے ہیں جو میری گردن مروڑ کر مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔

(ابن ہشام جلد ۱)

آپؐ جو حق کا رعب رکھتے تھے وہ شرارت کی رُوح کو کچل دیتا تھا۔ اور دوسرے کو صدق کے آگے سر جھکانا پڑتا تھا۔

۵۲۔ هُوَ جَنَّةٌ اِنِّیْ اَرٰی اَثْمَارَهٗ
وَ قُطُوْفَهٗ قَدْ ذُلِّلَتْ لِجَنَانِیْ

معانی الالفاظ۔ اَثْمَارٌ۔ ثَمَرَۃٌ کی جمع ہے۔ پھل۔ قُطُوْفٌ۔ قِطْفٌ کی جمع ہے۔ خوشہ یا گچھا۔ اس کی جمع قِطَافٌ بھی ہے۔ ذُلِّلَتْ۔ ذُلِّلَ الْکَرَمُ کے معنے ہیں۔ اس کے گچھے لٹکے ہوئے ہیں۔

ترجمہ۔ آپؐ ایک باغ ہیں مَیں دیکھتا ہوں کہ آپ کے پھل اور گچھے اور خُوشے جھکا کر میرے دل کے قریب کئے گئے۔ قُطُوفٌ، ذُلِّلَتْ کا نائب فاعل بھی ہوسکتا ہے۔

شرح۔ اِس شعر میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ کے دل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے شدید مناسبت ہے۔ جس کی وجہ سے آپ مورِدِ فیض محمدیؐ ہیں۔ یہ مناسبت آپ کے الہام میں یوں ظاہر فرمائی گئی ہے۔ كُلُّ بَرَكَةٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ ۔یعنی ہر ایک برکت کا مصدر ومنبع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ باجود ہے۔ پس مبارک ہے وہ جس نے سکھایا اور مبارک ہے وہ جس نے سیکھا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے استاد اور مربی ہیں اور آپ حضورؐ کے شاگرد۔

۵۳- اَلْفَيْتُهٗ بَحْرَ الْحَقَائِقِ وَ الْهُدٰى
وَ رَأَيْتُهٗ كَالدُّرِّ فِي اللَّمَعَانٖ

ترجمہ۔ مَیں نے آپؐ کو حقائق و ہدایت کا سمندر پایا اور آب وتاب میں موتی کی مانند دیکھا۔

شرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علوم سکھائے اور وہ حقائق آپؐ پر منکشف فرمائے جو دنیا کی نظروں سے بالکل پوشیدہ تھے۔ مثلاً آپؐ

نے فرمایا مَا مِنْ دَآءٍ اِلَّا لَہٗ دَوَاءٌ اِلَّا الْمَوْتَ کہ موت کے سوا ہر بیماری کا علاج موجود ہے۔ یہ بات آپؐ نے ایسے وقت فرمائی جبکہ بہت سی بیماریاں لاعلاج خیال کی جاتی تھیں۔لیکن سالہا سال کی تحقیق کے بعد اب بعض لاعلاج بیماریاں قابلِ علاج ثابت ہوگئی ہیں۔اسی طرح آپؐ نے بالہامِ الٰہی فرمایا خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ:۳۰) اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا (آل عمران:۱۹۲) کہ دنیا کی ہر چیز انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بہت سی ان چیزوں کے فوائد معلوم کر لئے گئے ہیں جو پہلے محض ضرر رساں خیال کی جاتی تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ۔

بر لبش جاری ز حکمت چشمۂ — در دلش پُر از معارف کوثرے

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر — زیں چہ باشد حجتے روشن ترے

(براہین احمدیہ حصّہ اوّل روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۱۸و۱۹)

یعنی اُس کے منہ سے حکمت کا چشمہ جاری ہے اور اس کا دل معارف سے پُر ایک کوثر ہے۔ وہ اُمّی ہے مگر حکمت میں بے نظیر ہے۔ اس سے زیادہ اس کی صداقت پر اور کیا دلیل ہوگی۔

۵۴- قَدْ مَاتَ عِیْسٰی مُطْرِقًا وَّ نَبِیُّنَا
حَیٌّ وَ رَبِّیْ اِنَّہٗ وَافَانِیْ

معانی الالفاظ۔وَافَانِیْ - وَافٰی مُوَافَاۃً حَقَّہٗ یعنی اس کا حق اُسے

پُورا پُورا دے دیا۔ وَ افَی الْمَکَانَ ۔ اس جگہ آیا۔ وَافَانِیْ کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے اپنی شرفِ ملاقات سے نوازا۔

ترجمہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو چُپ چاپ اپنا سر جھکائے وفات پا گئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ اور بخدا انہوں نے مجھے اپنی شرفِ ملاقات سے بھی نوازا ہے۔

شرح۔ پہلے اشعار میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء سابق تو ایک ہلکی بارش کی مانند آپؐ کے ظہور کی جو بڑی بارش[1] کی مانند تھا ایک علامت تھے اور جامع جمیع کمالاتِ انبیاء صرف آپؐ ہی کی ذات رفیع الدرجات تھی۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا یہی عقیدہ حضرت مسیحؑ کے متعلق ہے۔ وہ انہیں تمام انبیاء سے افضل اور خاتم النبیین[2]

---

[1] آیت اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ (البقرۃ:۲۰) میں اسلام اور آپؐ کے ظہور کو موسلا دھار بارش سے تشبیہ دی گئی ہے۔ [2] دیکھو رسالہ خاتم النبیین مؤلفہ پادری بوٹا مل۔ جسے پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی نے باردوم ۱۸۵۳ء میں شائع کیا۔ اس میں مؤلف لکھتا ہے ''وحی آسمانی کی امانت کے لئے صرف بنی اسرائیل ہی مخصوص ہیں اور خاتم النبیین کا ظہور بھی اسی موعود نسل سے ہونے والا تھا اور وہ آخری نبی یسوع مسیح ہے...... اُسی آخری نبی نے سلسلہ نبوّت اور الہام پر یہ کہہ کر مُہر کر دی کہ تمام ہوا۔'' (صفحہ ۵) ''اور دنیا کے ایمان کی آزمائش کے لئے مسیح خداوند کی دوسری آمد تک جھوٹے نبیوں کے لئے میدان خالی چھوڑ گئے'' (صفحہ ۱۰) ''پس ہماری تحقیق نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم دنیا میں اس بات کا اعلانیہ اظہار کریں کہ توریت اور نبیوں اور انجیل مقدس میں مسیح خداوند اور اس کے حواریوں کے بعد کسی سچے نبی کی آمد کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اس لئے مسیح اور اس کے حواریوں کے بعد کسی کا دعوٰی نبوّت حق اور قابلِ وثوق نہیں۔'' (صفحہ ۲۱)۔

جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ اُٹھائے گئے ہیں اور قریباً دو ہزار سال سے زندہ ہیں۔ آخری زمانہ میں نازل ہوں گے اور ساری دنیا کو راہِ راست پر لائیں گے۔ اور یہی عقیدہ مسلمانوں کا بھی ہے کہ وہ دجّال کو قتل کریں گے۔ یاجوج ماجوج کو تباہ کریں گے اور انہیں وہ کامیابی حاصل ہوگی جو کسی نبی کو پہلے نہیں ہوئی۔ اس لئے کسی اور کو اُن پر فضیلت دینا درست نہیں ہے۔ اس شعر میں اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

اس جگہ ایک مکالمہ کا ذکر کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں جو مجھ سے اور علاقہ شام کے انچارج مشنری الفریڈ نیلسون ڈائیمر کی کے وکیل ابراہیم نامی سے جو شامی تھا ۱۹۲۶ء کے اوائل میں دمشق کے مقام پر ہوا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے کے لئے میرے مکان پر آیا اور مذہبی گفتگو کرنی چاہی۔ میرے دریافت کرنے پر کہ آپ کس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں اُس نے کہا۔ کیا خداوند یسوع مسیح افضل تھے یا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ مَیں نے پوچھا آیا قرآن مجید کی رُو سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں یا انجیل کی رُو سے۔ اُس نے جواب دیا قرآن مجید کی رُو سے۔ مَیں نے کہا قرآن مجید کی رُو سے تو حضرت مسیحؑ کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے اُستاد کے مقابل میں شاگرد کا۔ اُس نے حیرانی کا اظہار کیا۔ مَیں نے کہا آپ وہ آیت پیش کریں جس سے آپ مسیحؑ کا افضل ہونا سمجھتے ہیں۔ اُس نے کہا قرآن میں ہے کہ فرشتہ نے حضرت مریمؑ کو بشارت دی کہ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا تجھے پاک لڑکا دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں کسی اور نبی کے حق میں ایسا نہیں کہا گیا کہ وہ گناہوں سے پاک اور بے عیب ہوگا۔ زَكِيًّا کے لفظ کا کسی اور نبی کے حق میں استعمال نہ ہونا اِس امر کی دلیل ہے کہ مسیحؑ ہی بے عیب

اور معصوم تھے اور کوئی نبی اس صفت میں اُن کا شریک نہ تھا۔ مَیں نے جواب دیا اگر قرآن مجید میں یہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی استعمال ہوا ہوتا تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا کہ آنحضرتؐ اور حضرت مسیحؑ درجہ میں مساوی ہیں مگر مَیں نے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُستاد کی طرح ہیں اور مسیح علیہ السلام شاگرد کی طرح۔ چنانچہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اِسی مادہ سے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ میرے دعویٰ کی تائید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ (الجمعة:۳)

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں خدا تعالیٰ نے اُمّیوں کی طرف انہی میں سے رسول کر کے مبعوث کیا وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سُناتا اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اِس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزکّی ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی دوسروں کو مسیحؑ جیسا پاک بنا دینے والا۔ آپ کا خیال تھا کہ قرآن مجید سے حضرت مسیح علیہ السلام کا تمام انبیاء حتّٰی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہونا ثابت ہے لیکن قرآن مجید کی اِس آیت کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُستاد کا مرتبہ رکھتے ہیں اور حضرت مسیحؑ شاگرد کا۔ حضرت مسیح علیہ السلام زکی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزکّی یعنی زکی بنانے والے۔

دوسری آیت۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے دوسری بات یہ پیش کی کہ قرآن مجید میں حضرت مسیحؑ کے نسب کے بے عیب ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حسب ونسب کا مطلقاً ذکر نہیں کیا گیا۔ مَیں نے اُس سے پوچھا آپ قرآن مجید کو خدا کا کلام مانتے ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا؟ اُس نے جواب دیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا۔ مَیں نے کہا۔ کس مسیحؑ کے نسب کو بے عیب ثابت کیا۔ اِس طرح بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ مزکّی کا ہوا۔ جو اُستاد کا مرتبہ ہے۔ مَیں نے کہا۔ آپ کا استدلال درست نہیں۔ قرآن مجید انساب کی کتاب تو ہے نہیں کہ سب انبیاء کے حسب ونسب کا ذکر کیا جاتا۔ حضرت مسیحؑ کے ماں باپ اور ان کے سلسلۂ نسب کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے نسب پر طعن کی گئی تھی۔ خود آپ کی مقدس کتاب انجیل متی کے باب اوّل میں مسیحؑ کا جو نسب نامہ لکھا گیا ہے اُس میں اُن کی دو دادیاں زنا کار بتائی گئی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اُن کے نبی ہونے کا ذکر کیا تو ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دیا کہ اُن کا سلسلۂ نسب بھی پاک اور بے عیب تھا۔ ظاہر ہے کہ سفید بے داغ کپڑے کو دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر مَیلا ہو یا اُس میں کوئی دھبّہ لگا ہو تو وہ دھویا اور صاف کیا جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسب ونسب تمام لوگوں کے نزدیک بے داغ اور پاک وصاف تھا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ اگر آپ کی طرزِ استدلال اختیار کی جائے تو آیت ''وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ'' (البقرۃ: ۱۰۳) سے بآسانی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کافر تھے کیونکہ اُن سے کفر کی نفی ایسے رنگ میں نہیں کی گئی جس رنگ میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے کی گئی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے نفی کفر کی وجہ بھی یہی تھی کہ اُن پر کفر وشرک کا الزام لگایا گیا تھا۔ (دیکھو ۱۔سلاطین باب ۱۱)

تیسری آیت اُس نے یہ پیش کی کہ قرآن مجید میں حضرت مسیحؑ کے متعلق اَیَّدَہٗ بِرُوْحٍ مِّنْہُ آیا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی رُوح القدس سے تائید کی تھی۔ مَیں نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ (الحجر:۳۰)

کہ مَیں نے اُس میں اپنی رُوح پھونکی اور سب فرشتے اس کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔حالانکہ مسیحؑ کے لئے کبھی فرشتوں نے سجدہ نہیں کیا۔البتہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ شیطان نے مسیحؑ سے کہا تھا کہ تم مجھے سجدہ کرو۔اور رُوح سے مراد حضرت جبرائیل ہیں۔حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسّان بن ثابتؓ سے فرمایا۔اَنْشِدْ وَ رُوْحُ الْقُدُسِ مَعَكَ کہ تم شعر پڑھو اور رُوح القدس تمہارے ساتھ ہے۔اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صحابہؓ کے حق میں فرماتا ہے وَاَیَّدَ ھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ (المجادلۃ:۲۳) کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح القدس سے اُن کی تائید کی ہے۔اور صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے اس لئے مسیح علیہ السلام بھی جن کی روح القدس سے تائید ہوئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بمنزلہ شاگرد ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی (النجم:٦) کہ انہیں شدید القویٰ نے سکھایا۔شدید القویٰ حضرت جبرائیلؑ کی ایک تجلّی کا نام ہے جیسے روح القدس۔ انجیل میں آتا ہے کہ مسیحؑ پر روح القدس کبوتری کی شکل میں نازل ہوئی لیکن حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرائیل کے ظاہر ہونے کے وقت سارا

افق ان کی تجلّی سے معمور تھا۔ کہاں یہ عظیم الشان تجلّی اور کہاں کبوتری!

پھر اُس نے کہا آپ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ کے مطابق آسمان پر اُٹھائے گئے اور اب تک زندہ ہیں اور آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عام انسانوں کی طرح وفات پا گئے۔ مَیں نے کہا آپ کو میرے عقیدے کا علم نہیں۔ مَیں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا۔ یہ کیسے؟ مَیں نے کہا ظاہری لحاظ سے تو سب نبی وفات پا گئے اور آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء:۱۵۹) میں رفع سے مراد بلندیٔ درجات اور تقرب الی اللہ ہے۔ یہود نے کہا تھا کہ انہوں نے مسیحؑ کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا جس سے ان کا لعنتی ہونا ثابت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ یہود نے اُسے صلیب پر لٹکا کر مارا نہ کسی اور طریق سے قتل کیا اس لئے وہ لعنتی نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقرب تھا۔ اور رَفَعَ کا فاعل جب اللہ تعالیٰ ہو اور مفعول کوئی ذِی رُوح انسان تو زبانِ عرب میں اس کے معنے سوائے تقرب الی اللہ اور رفعِ درجات کے اور کچھ نہیں ہوتے۔ آسمان پر اُٹھانے کے تو کیا کسی پہاڑی یا ٹیلے پر اُٹھانے کے بھی نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بلعم باعور کے متعلق آتا ہے وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ (الاعراف:۱۷۷) یعنی ہم چاہتے تو اِن آیات کے ساتھ اُس کا رفع کرتے لیکن وہ زمین کی طرف جُھک گیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اِس آیت میں تو رَفَعَ کے مقابلے

میں اَرْض (زمین) کا لفظ بھی موجود ہے پھر بھی کوئی مفسّر اس آیت میں رَفَعْ کے معنی آسمان پر لے جانے کے نہیں لیتا۔ اور حدیث میں آتا ہے اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ (کنز العمال) کہ جب کوئی بندہ خاکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان تک رفع کرتا ہے۔ اِس حدیث میں باوجود آسمان کا لفظ موجود ہونے کے کوئی شخص یہ معنے نہیں لیتا کہ خاکساری کرنے والا فی الحقیقت آسمان پر اُٹھا لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مَیں بتا چکا ہوں، عربی زبان میں رَفَعْ اِلَى اللّٰهِ کے معنے تقربِ الٰہی اور رفعِ درجات کے ہیں۔ مع جسم آسمان پر اٹھانے کے نہیں۔ پس رَفع کے لفظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ پھر میں نے کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظاہری لحاظ سے تو وفات پا چکے ہیں لیکن روحانی افاضہ اور اثر و تاثیر کے لحاظ سے آپؐ زندہ ہیں اور مسیحؑ مُردہ۔ کیونکہ ان کی پیروی سے اب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا نہ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو سکتا ہے۔ نہ ان کا دین زندہ ہے، نہ ان کی شریعت زندہ ہے اور نہ اب اُن کی رُوحانی تاثیر باقی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افاضہ روحانی اور تاثیر قدسی جاری ہے۔ اور بندگانِ الٰہی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ آپؐ کا دین زندہ، آپؐ کی کتاب زندہ، آپؐ کی شریعت زندہ، آپؐ کا افاضۂ روحانی و تاثیر روحانی زندہ ہے۔ اس لئے آپؐ اور صرف آپؐ زندہ نبی ہیں۔

اُس نے یہ سُن کر کہا کہ یہ تو نئی بات ہے اور کچھ دیر گفتگو کر کے چلا گیا۔

۵۵- وَاللّٰہِ اِنِّیۡ قَدۡ رَأَیۡتُ جَمَالَہٗ
بِعُیُوۡنِ جِسۡمِیۡ قَاعِدًا بِمَکَانِیۡ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آپؐ کا جمال ظاہری آنکھوں سے اپنے مکان میں بیٹھے دیکھا۔

۵۶- ھَا اِنۡ تَظَنَّیۡتَ ابۡنَ مَرۡیَمَ عَائِشًا
فَعَلَیۡكَ اِثۡبَاتًا مِّنَ الۡبُرۡھَانِ

ترجمہ۔ دیکھو اگر تم بھی ابنِ مریمؑ کو زندہ خیال کرتے ہو تو دلیل سے ثابت کرنا تمہارا فرض ہے۔

۵۷- أَفَاَنۡتَ لَاقَیۡتَ الۡمَسِیۡحَ بِیَقۡظَۃٍ
اَوۡ جَاءَكَ الۡاَنۡبَآءُ مِنۡ یَقۡظَانٖ

ترجمہ۔ کیا تم بھی بیداری میں مسیحؑ سے ملے ہو؟ یا کسی جیتے جاگتے نے تمہیں خبر دی ہے کہ وہ زندہ ہیں؟

۵۸- اُنۡظُرۡ اِلَی الۡقُرۡاٰنِ کَیۡفَ یُبَیِّنُ
أَفَاَنۡتَ تُعۡرِضُ عَنۡ ھُدَی الرَّحۡمٰنِ

ترجمہ۔ قرآن کریم کو دیکھو کہ وہ اُس کی وفات کیسے واضح طور پر بیان کر رہا ہے۔ کیا تم رحمان کی ہدایت سے منہ پھیرتے ہو؟

شرح۔ اِن اشعار میں زیادہ تر روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مانتے ہیں اور کسی نامعلوم زمانے میں اُن کے آسمان سے اُترنے کے قائل ہیں۔ اور یہ عقیدہ عیسائیوں کو لوگوں کے گمراہ کرنے میں پُوری مدد دینے والا ہے۔ صاحبِ قصیدہ اپنے ایک فارسی قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

مسیحِ ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند مگر مدفونِ یثرب را ندادند ایں فضیلت را
ز بُوئے نافۂ عرفاں چو محروم ازل بودند پسندیدند در شانِ شہِ خلق ایں مذلّت را
ہمہ دُرہائے قرآں را چو خاشاکے بیفگندند زِعلمِ ناتمامِ شاں چہا گم گشت ملّت را
ہمہ عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میّت را

(آئینہ کمالاتِ اسلام۔ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۶)

یعنی یہ لوگ مسیحِ ناصری کو قیامت تک زندہ سمجھتے ہیں۔ مگر مدفونِ یثرب یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلت نہیں دیتے۔ چونکہ یہ لوگ نافۂ عرفان کی خوشبو سے ازلی محروم تھے۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ ذلّت پسند کر لی۔ قرآن کریم کے تمام موتیوں کو کُوڑے کرکٹ کی طرح پھینک دیا۔ ان کے ناقص علم کی وجہ سے ملّتِ اسلام کا کس قدر نقصان ہوا۔ انہوں نے اپنے اس عقیدہ سے تمام عیسائیوں کی مدد کی اِس وجہ سے مردہ پرستوں میں بھی دلیری آ گئی۔

وفاتِ مسیح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ ایک دو آیات بطور مثال درج ذیل ہیں۔

پہلی آیت

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (المآئدۃ:۱۱۷)

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے روز سوال کرے گا کہ کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو۔

تو وہ جواب میں کہیں گے:۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۔ (المائدۃ:۱۱۸)

کہ میں نے تو ان سے وہی کہا تھا جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا۔ اور وہ بالکل صاف اور واضح حکم تھا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے اور مَیں اُن کا نگران اور محافظ تھا جب تک مَیں اُن میں رہا۔ مگر جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی اُن کا رقیب و محافظ تھا (اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے مجھے اور میری والدہ کو کب معبود بنایا اور کیونکر بنایا بہر حال میری زندگی میں ایسا نہیں ہوا۔)

اِس آیت سے قطعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے کیونکہ اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے دو زمانوں کا ذکر کریں گے۔قوم میں موجودگی کا زمانہ اور عدم موجودگی کا زمانہ ان دنوں زمانوں کے درمیان تَوَفَّيْتَنِيْ یعنی وفات بطور حدِّ فاصل ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اپنی قوم سے جُدا ہونے کا باعث ان کی وفات ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

اِس استدلال کی صحت اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت امام بخاریؒ نے اِس آیت کی تفسیر کرنے کے لئے اپنی صحیح میں درج کی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حشر کے دن میرے چند صحابہ پکڑ کر لے جائے جائیں گے تو مَیں کہوں گا کہ یہ میرے صحابہ ہیں۔

” فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ (وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ) فَيُقَالُ اِنَّ هٰؤُلَآءِ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ ۔ “

(بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۱۱۸)

تو یہ کہا جائے گا کہ تجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کچھ کیا اور کیا کیا بدعات نکالیں۔آپؐ فرماتے ہیں تو مَیں وہی قول کہوں گا جو کہ عبد صالح (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا قرآن مجید کی اِس آیت میں مذکور ہے کہ مَیں اس قوم پر نگران اور شہید تھا جب تک اُن میں رہا لیکن جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی اُن پر

رقیب ونگران تھا۔ اور یہ کہا جائے گا کہ جب سے تُو ان سے جُدا ہوا وہ اُس وقت سے مرتد ہو گئے تھے۔

اِس حدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کی تشریح ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ جیسے مرتد ہونے والے صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوئے اسی طرح عیسائیوں میں الوہیتِ مسیحؑ کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد پھیلا۔ لہٰذا اِس آیت سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں بلکہ وفات یافتہ ہیں۔

دوسری آیت

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (اٰل عمران:۱۴۵)

یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک رسول ہیں۔ آپؐ سے پہلے کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس اگر آپؐ بھی فوت ہو جائیں یا قتل کئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام رسولوں کی نسبت جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں وفات پا جانے کی خبر دی ہے۔ اور رسولوں کے دنیا سے گزر جانے کے صرف دو طریق قرار دیئے ہیں، موت اور قتل۔ اگر کوئی تیسری صورت گزرنے کی ہوتی جیسے آسمان پر چلے جانا، تو اس کا بھی اِس آیت میں ذکر ہوتا۔ پس اِس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت

ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی اُن رسولوں میں شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو چکے ہیں۔

اجماعِ صحابہ

صحیح بخاری میں لکھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور آپؐ کی وفات کی خبر مدینہ میں پھیلنی شروع ہوگئی تو صحابہؓ کو آپؐ کی وفات کا یقین نہیں آتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ کہے گا مَیں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس روز ایک خطبہ پڑھا جس میں آپ نے فرمایا:۔

" مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ ۔ قَالَ اللهُ " وَ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الآية ۔"

یعنی جو تم میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا تو وہ سُن لے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو تم میں سے اللہ کا پرستار ہے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیشہ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہیں اور آپؐ سے پہلے جس قدر رسول آئے وہ وفات پا چکے ہیں۔ (اور یہ آیت پُوری پڑھ کر سنائی)

بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے فَتَلَقَّاهَا النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا أَسْمَعُ بَشَرًا مِّنَ النَّاسِ إِلَّا يَتْلُوْهَا کہ یہ آیت تمام لوگوں نے حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سُن کر یاد کر لی۔ پس مَیں ہر ایک شخص کو اس دن اِس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے سنتا تھا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت پڑھی تو اُسے سُن کر مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ مَیں کھڑا نہ رہ سکا اور زمین پر گر گیا اور مَیں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع وفات پا چکے ہیں۔

اگر اُس وقت حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابیؓ کا یہ ایمان ہوتا کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر بجسدِ عنصری زندہ موجود ہیں تو وہ یہ کہنے سے کس طرح رُک سکتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی تو رسول ہی تھے وہ کیسے زندہ ہیں؟ لیکن کسی صحابیؓ نے یہ نہیں کہا اور تمام صحابیوں خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ نہ کہنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اس دلیل سے کہ آپ سے پہلے آنے والے تمام رسول وفات پا چکے ہیں یقین کر لینا اس امر کی دلیل قطعی ہے کہ تمام صحابہؓ جس طرح ان سب رسولوں کی وفات کے قائل تھے اسی طرح حضرت مسیحؑ کی وفات کے بھی۔

تاریخ

جب ہم تاریخِ اسلامی پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اگر کوئی شخص عیسائی خیالات کے اثر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں شبہ بھی رکھتا ہو تو رکھتا ہو لیکن آپؐ کی وفات پر تو کسی کو بھی یہ شبہ باقی نہیں رہا اور تمام صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی وفات کا پُوری صفائی کے ساتھ کامل یقین ہو گیا۔

مرتدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو آپؐ کی تکذیب کی وجہ بنالیا تھا اور وہ کہتے تھے لَوْ کَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَمَا مَاتَ ۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے ۔ اس کا جواب قرآن مجید سے یہی دیا گیا کہ آپؐ سے پہلے جس قدر بھی انبیاء آئے وہ سب وفات پا چکے ہیں ۔ اس لئے آپؐ کا وفات پا جانا بھی آپؐ کی شانِ نبوت کے منافی نہیں ۔ مگر مخالفین کا فتنہ تمام قبائل میں پھیل گیا ۔ اور اِس بناء پر کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی تھے تو فوت کیوں ہو گئے؟ اہلِ بحرین و حطم وغیرہ قبائل مرتد ہو گئے ۔ چنانچہ مشہور مؤرخ ابن جریر الطبری جَارُود بن مُعلّٰی کے قبیلے عبدالقیس کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

"انہیں اسلام میں داخل ہوئے تھوڑی ہی مدّت ہوئی تھی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اُن کے قبیلے عبدالقیس نے کہا کہ اگر محمدؐ نبی ہوتے تو وہ کبھی فوت نہ ہوتے اور سب مُرتد ہو گئے ۔ جب اس کی اطلاع جارود کو ہوئی تو اُنہوں نے سب کو جمع کیا اور کہا ۔ اے گروہِ عبدالقیس ! مَیں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اگر تم اسے جانتے ہو تو بتانا ۔ انہوں نے کہا جو چاہو پوچھو ۔ جارود نے کہا جانتے ہو کہ گزشتہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے نبی دنیا میں آ چکے ہیں ۔ انہوں نے کہا ۔ ہاں ۔ جارود نے کہا پھر کیا ہوا؟ انہوں نے کہا وہ فوت ہو گئے ۔ جارود نے کہا ۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی انتقال فرما گئے جس طرح سابقہ انبیاء دنیا سے اُٹھ گئے ۔ مَیں اعلان کرتا ہوں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ

مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ ۔اُن کی قوم نے کہا ہم بھی شہادت دیتے ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی حقیقی معبود نہیں اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں ۔ اور ہم تم کو اپنا برگزیدہ اور سردار تسلیم کرتے ہیں ۔ اِس طرح وہ اسلام پر ثابت قدم ہو گئے ۔‘‘

(ترجمہ تاریخ طبری جلد اوّل حصّہ چہارم صفحہ ۹۴، ۹۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

اس تاریخی واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتدّین نے اپنے ارتداد کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پا جانا قرار دیا تھا۔ اوران کی یہ وجہ آپ ؐ سے پہلے تمام نبیوں کی وفات پیش کر کے ردّ کی گئی اور ظاہر ہے کہ یہ دلیل صرف اسی صورت میں درست ہو سکتی تھی جب کہ آپ ؐ سے پہلے گزرے ہوئے کُل نبیوں کی وفات تسلیم کی جاتی ۔ اگر ایک کو بھی وفات یافتہ نہ مانا جاتا تو پھر یہ دلیل درست نہ رہتی ۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا اِس امر پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں لیکن بعد میں جب مسلمانوں کو پے در پے فتوحات ہوئیں اور عیسائی جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور اُن کی تربیتِ دینی کماحقہٗ نہ ہو سکی تو اُن کے ذریعہ مسلمانوں میں وہ خیالات پھیلنے شروع ہو گئے جو وہ اسلام لانے سے پہلے رکھتے تھے ۔ اور چونکہ عیسائی اور یہودی اہلِ کتاب اور اہلِ علم سمجھے جاتے تھے اُن کے ایمان لے آنے پر عام مسلمان اُن کی باتوں کو توجہ سے سُننے لگے اور آہستہ آہستہ قرآن مجید کی آیتوں کا مطلب ان کے خیالات کے مطابق لیا جانے لگا ۔ چنانچہ تفاسیر میں وہب بن منبہ سے آیت اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ کی تفسیر کی ذیل میں یہ قول نقل کیا ہے ۔

''اَمَا تَهُ اللّٰهُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ ثُمَّ رَفَعَهٗ ۔''

''کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو تین دن تک وفات دی، پھر انہیں زندہ کیا، پھر انہیں اٹھالیا۔''

اسی طرح سعید بن المسیب نے اِس آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔

رُفِعَ عِيسٰى وَ هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً ۔ رَفَعَهُ اللّٰهُ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ۔ (فتح البیان تفسیر ال عمران آیت ۵۶)

کہ عیسیٰؑ تینتیس سال کی عمر میں اُٹھائے گئے اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سے اُن کا رفع کیا۔

اِن دونوں قولوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ موجودہ اناجیل میں بالصراحت موجود ہے (دیکھو مرقس باب ۴۵ ولوقا باب ۲۴ و رسولوں کے اعمال باب ۱)

اور صاحبِ تفسیر فتح البیان بحوالہ زاد المعاد مؤلفہ ابن القیّم یہ لکھ کر کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر اُٹھائے گئے اس کے متعلق کوئی صحیح روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ امام شامی نے کہا ہے:۔

''وَ هُوَ كَمَا قَالَ فَاِنَّ ذٰلِكَ اِنَّمَا يُرْوٰى عَنِ النَّصَارٰى وَ الْمُصَرَّحُ بِهٖ فِي الْاَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ اَنَّهٗ رُفِعَ وَ هُوَ ابْنُ مِائَةٍ وَّ عِشْرِيْنَ سَنَةً ۔'' (فتح البیان تفسیر سورۃ اٰل عمران آیت نمبر ۵۶)

کہ امام ابن قیّم کی بات درست ہے کیونکہ یہ بیان عیسائیوں کا ہے

اور احادیث نبویہؐ میں تصریح سے آیا ہے کہ ان کا رفع اُس وقت ہوا
جب کہ اُن کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ احادیث میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک سو بیس سال کی عمر پانے کا ذکر تو ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ میری عمر اُن سے نصف ہوگی۔ لیکن اُن کے رفع کا احادیث میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ عقیدہ تو درحقیقت نو مسلم عیسائیوں کے ذریعہ مسلمانوں میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم نے تفصیل سے اُوپر بیان کر دیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے اور دوسری صدی میں حضرت امام مالکؒ بھی جو چار ائمہ فقہ میں سے پہلے امام ہیں جن کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہو جانے کے قائل تھے۔ چنانچہ امام محمد طاہرؒ لکھتے ہیں:

''وَ الْاَکْثَرُ اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَ قَالَ مَالِكٌ مَاتَ''

(مجمع البحار جلد ا صفحہ ۲۸۶ مطبوعہ مطبع العالی منشی نولکشور ۱۳۱۴ھ)

کہ اکثر تو یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے لیکن
امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا۔

بدنیا گر کسے پائندہ بودے ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

۵۹- فَاعْلَمْ بِاَنَّ الْعَيْشَ لَيْسَ بِثَابِتٍ
بَلْ مَاتَ عِيْسٰى مِثْلَ عَبْدٍ فَانٍ

معانی الالفاظ۔ثَابِتٌ ۔ہمیشہ رہنے والا۔

ترجمہ۔ جان لو کہ زندگی قائم و دائم نہیں ۔ بلکہ عیسیٰؑ بھی ایک فانی بندے کی طرح وفات پا گئے ہیں۔

شرح۔ دیوان خنساء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خنساء اپنے بھائی کو رو رہی تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کے گھر کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔" لَوْ خَلَدَ اَحَدٌ لَخَلَدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ۔ " کہ اگر کوئی زندہ چھوڑا جا سکتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص تھے جو زندہ رکھے جاتے ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۔

(الانبیاء: ۳۵)

کہ اے رسول ! ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کو غیر طبعی زندگی عطا نہیں کی ۔ بھلا ہو سکتا ہے کہ تُو تو مر جائے اور وہ زندہ رہیں۔

اِس آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ رکھی تو وہ چیز جاتی ہے

جو سب سے زیادہ نافع ہو۔ اس لئے اگر کوئی زندہ رکھا جا سکتا تھا تو وہ تیرا وجودِ باجود تھا۔ جب تجھے غیر طبعی زندگی نہیں دی گئی تو اور کسی کو کیسے دی جا سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

وَ لَوْ اَنَّ اِنْسَانًا یَطِیْرُ اِلَی السَّمَآءِ
لَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَوْلٰی وَ اَجْدَرْ

کہ اگر کوئی انسان آسمان تک پرواز کر سکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ لائق اور مستحق ہوتے۔

۶۰۔ وَ نَبِیُّنَا حَیٌّ وَ اِنِّیْ شَاھِدٌ
وَ قَدِ اقْتَطَفْتُ قَطَائِفَ اللُّقْیَانِ

معانی الالفاظ۔ اِقْتَطَفَ الثَّمَرَ ۔ درخت سے میوہ توڑا۔ اِقْتَطَفَ الشَّیْءَ ۔ جلدی سے چیز کو لیا۔ اِقْتَطَفَ الْکَلَامَ ۔ کلام کا خلاصہ نکال لیا۔

ترجمہ۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور مَیں گواہ ہوں ۔ اور مَیں آپؐ کی ملاقات کے ثمرات سے بہرہ مند ہوا ہوں۔

۶۱۔ وَ رَأَیْتُ فِیْ رَیْعَانِ عُمْرِیْ وَجْھَہٗ
ثُمَّ النَّبِیُّ بِیَقْظَتِیْ لَاقَانِیْ

معانی الالفاظ۔ رَیْعَان ۔ کسی چیز کا اوّل اور افضل حصّہ۔

رَیْعَانُ الشَّبَابِ ۔ عنفوان جوانی۔

ترجمہ۔ مَیں نے آغازِ جوانی میں آپؐ کا روئے مبارک دیکھا پھر آپؐ نے بیداری کی حالت میں مجھے شرفِ ملاقات بخشا۔

شرح۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے محبوب، اپنے سیّد و مولا فخر الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار خواب اور کشفی حالت میں دیکھا ہے۔ یہاں مَیں ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' سے جس میں یہ قصیدہ درج ہے آپؑ کا ایک خواب نقل کرتا ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں:-

> ''اوائل ایّامِ جوانی میں ایک رات مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک عالیشان مکان میں ہوں جو نہایت پاک اور صاف ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور چرچا ہو رہا ہے۔ مَیں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضورؐ کہاں تشریف فرما ہیں؟ انہوں نے مجھے اس مکان کے ایک کمرہ کا پتہ دیا۔ مَیں اس کے اندر چلا گیا۔ اور جب مَیں حضور کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوا تو حضورؐ بہت خوش ہوئے اور آپ نے مجھے سلام کا بہترین طور پر جواب دیا۔ آپؐ کا حسن و جمال اور ملاحت اور مجھ پر آپ کی شفقت و محبّت کی نگاہ مجھے اب تک یاد ہے اور وہ کبھی بُھول نہیں سکتی۔ آپ کی محبّت نے مجھے فریفتہ کر لیا اور آپ کے حسین و جمیل چہرہ نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اُس وقت آپ نے مجھے فرمایا اے احمد! تیرے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ جب مَیں نے ہاتھ کی

طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور وہ مجھے اپنی ہی ایک تصنیف معلوم ہوئی۔ مَیں نے عرض کیا کہ حضور یہ میری ایک تصنیف ہے۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۴۸ (ترجمہ از عربی عبارت)

براہین احمدیہ میں فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تُو نے اِس کتاب کا کیا نام رکھا ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کا نام مَیں نے قُطبِی رکھا ہے۔ جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب (یعنی براہین احمدیہ۔ شمسؔ) کی تالیف ہونے پر کھُلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے۔ جس کے کامل استحکام کو پیش کر کے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا گیا ہے۔

غرض آنحضرتؐ نے وہ کتاب مجھ سے لے لی اور جب وہ کتاب حضرت مقدّس نبوی کے ہاتھ میں آئی تو آنجنابؐ کے ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرتؐ نے جب اُس میوہ کی تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اُس میں سے شہد نکلا کہ آنجنابؐ کا ہاتھ مبارک مِرفق تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مُردہ کہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا آنحضرتؐ کے معجزہ سے زندہ ہو کر اِس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرت کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے

سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرت بڑے جاہ وجلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کُرسی پر جلوس فرمارہے تھے۔

پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ تا مَیں اُس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے زندہ ہوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں اور وہ ایک قاش مَیں نے اس نئے زندہ کو دے دی اور اُس نے وہیں کھالی۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو مَیں نے دیکھا کہ آنحضرت کی کُرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے بہت ہی اونچی ہوگئی اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں ایسا ہی آنحضرت کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی کہ جو دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی۔ تب اُسی نُور کو مشاہدہ کرتے کرتے آنکھ کُھل گئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔''

(براہین احمدیہ حصّہ سوم روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶ حاشیہ درحاشیہ نمبر ۱)

اور آپؑ نے ایک فارسی قصیدہ میں جو اِسی ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' میں درج ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اِن الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

یاد کن وقتیکہ در کشفم نمودی شکلِ خویش یاد کن ہم وقتِ دیگر کآمدی مشتاق وار

یاد کن آں لطف ورحمتہا کہ بامن داشتی وآں بشارتہا کہ میدادی مرا از کردگار

یاد کن وقتے چو بنمودی بہ بیداری مرا آں جمالے آں رُخے آں صورتے رشکِ بہار

یعنی اے میرے محبوب! آپ وہ وقت یاد فرمائیں جب آپ نے کشف میں مجھے اپنی شکل دکھائی تھی۔ اور ایک اور موقع بھی یاد فرمائیں جب آپ میرے

پاس مشتاقانہ تشریف لائے تھے۔ ان مہربانیوں اور رحمتوں کو بھی یاد فرمائیں جو آپ نے مجھ پر فرمائی تھیں۔ اور اُن بشارتوں کو بھی آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے دیتے تھے۔ وہ وقت بھی یاد فرمائیں جب بیداری میں آپ نے مجھے اپنا وہ جمال، وہ چہرہ اور وہ صورت دکھائی تھی جو رشکِ بہار تھی۔

۶۲- اِنِّیْ لَقَدْ اُحْیِیْتُ مِنْ اِحْیَآئِہٖ
وَاھًا لِّاِعْجَازٍ فَمَا اَحْیَانِیْ

ترجمہ۔ یقیناً مَیں آپؐ کے زندہ کرنے سے زندہ ہوا ہوں سبحان اللہ! کیا اعجاز ہے اور آپ نے کیا ہی اچھا مجھے زندہ کیا ہے۔

شرح۔ اوپر کے چند اشعار میں اِس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہمیشہ کے لئے زندہ نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں۔ وہ وفات پا چکے ہیں اور اُن کی تاثیرِ قدسی اور روحانیت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسی اور تاثیرِ روحانی ہمیشہ کے لئے زندہ اور جاری وساری ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روحانی زندگی کے ثبوت میں آپؑ نے اپنے وجود کو پیش کیا ہے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دیگر تمام انبیاء پر اور اسلام کی صداقت دیگر ادیان پر ثابت کی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

”اور مَیں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کا نام لے کر

جھوٹ بولنا سخت بد ذاتی ہے کہ خدا نے مجھے میرے بزرگ واجب الاطاعت سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی دائمی زندگی اور پُورے جلال اور کمال کا یہ ثبوت دیا ہے کہ مَیں نے اس کی پیَروی سے اور اس کی محبّت سے آسمانی نشانوں کو اپنے اُوپر اُترتے ہوئے اور دل کو یقین کے نور سے پُر ہوتے ہوئے پایا اور اس قدر نشان غیبی دیکھے کہ اُن کھُلے کھُلے نوروں کے ذریعہ سے مَیں نے اپنے خدا کو دیکھ لیا ہے۔‘‘

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۱۴۰)

’’سومَیں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہُنر سے اِس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے بزرگوں کو دی گئی تھی۔اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر مَیں اپنے سیّد و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔سو میں نے جو کچھ پایا۔اُس پیروی سے پایا اور مَیں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اُس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصّہ پاسکتا ہے‘‘ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۶۴،۶۵)

اور فرماتے ہیں:۔

’’مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایسے بدیہی طور پر سچا ہے کہ اگر تمام کفار روئے زمین دعا کرنے کے لئے ایک طرف کھڑے ہوں اور ایک

طرف صرف مَیں اکیلا اپنے خدا کی جناب میں کسی امر کے لئے رجوع کروں تو خدا میری ہی تائید کرے گا مگر نہ اس لئے کہ سب سے مَیں ہی بہتر ہوں بلکہ اس لئے کہ مَیں اس کے رسول پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں اور جانتا ہوں کہ تمام نبوتیں اُس پر ختم ہیں اور اُس کی شریعت **خاتم الشرائع** ہے۔ مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں یعنی وہ نبوت جو اس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اُس کے چراغ میں سے نُور لیتی ہے وہ ختم نہیں کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے یعنی اس کا ظِل ہے، اور اُسی کے ذریعہ سے ہے اور اُسی کا مظہر ہے اور اُسی سے فیضیاب ہے۔ خدا اُس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدیؐ شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا بلکہ آپ کچھ بننا چاہتا ہے مگر خدا اس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستورالعمل قرار دیتا ہے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے اور اُس کے فیض کا اپنے تئیں محتاج جانتا ہے۔ پس ایسا شخص خدا تعالیٰ کی جناب میں پیارا ہو جاتا ہے اور خدا کا پیار یہ ہے کہ اُس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کو اپنے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے اور اس کی حمایت میں اپنے نشان ظاہر کرتا ہے اور جب اس کی پیروی کمال کو پہنچتی ہے تو ایک **ظِلّی نبوت** اس کو عطا کرتا ہے جو **نبوت محمدیہ کا ظِل** ہے۔" (چشمۂ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۳۳۹، ۳۴۰)

اور فرماتے ہیں:۔

''پادریوں کی تکذیب انتہا تک پہنچ گئی تو خدا نے حجتِ محمدیہ پُوری کرنے کے لئے مجھے بھیجا۔ اب کہاں ہیں پادری تا میرے مقابل پر آویں۔ مَیں بے وقت نہیں آیا۔ مَیں اس وقت آیا کہ جب اسلام عیسائیوں کے پیروں کے نیچے کچلا گیا......... اور کئی لاکھ مسلمان مُرتد ہو کر خدا اور رسول کے دشمن ہو گئے .... بھلا اب کوئی پادری تو میرے سامنے لاؤ جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ یاد رکھو کہ وہ زمانہ مجھ سے پہلے ہی گزر گیا۔ اب وہ زمانہ آ گیا جس میں خدا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ رسول محمد عربیؐ جس کو گالیاں دی گئیں، جس کے نام کی بےعزّتی کی گئی، جس کی تکذیب میں بدقسمت پادریوں نے کئی لاکھ کتابیں اس زمانہ میں لکھ کر شائع کر دیں وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے۔ اس کے قبول میں حد سے زیادہ انکار کیا گیا مگر آخر اُسی رسول کو تاجِ عزّت پہنایا گیا اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک مَیں ہوں جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ اے نادانو! تم کفر کہو یا کچھ کہو، تمہاری تکفیر کی اس شخص کو کیا پروا ہے جو خدا کے حکم کے موافق دین کی خدمت میں مشغول ہے اور اپنے پر خدا کی عنایات کو بارش کی طرح دیکھتا ہے۔''

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور تاثیرِ قدسی کی برکت

سے جو تازہ نشانات آپ کے ہاتھ پر ظاہر کئے انہیں پیش کر کے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ نبی ہونا اور اسلام کا زندہ مذہب ہونا اور قرآن مجید کا زندہ کتاب ہونا ثابت کیا ہے۔

۶۳- یَا رَبِّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّکَ دَائِمًا
فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا وَ بَعْثٍ ثَانٖ

ترجمہ۔ اے میرے رب! اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیج۔ اِس دُنیا میں بھی اور دوسرے عالم میں بھی۔

شرح۔ چونکہ گزشتہ اشعار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا ذکر تھا اور اُن انعاماتِ الٰہیہ کا جو آپؐ کے ذریعہ مصنّفِ قصیدہ پر ہوئے اس لئے اُن کے خیال سے طبعی طور پر آپ کے دل میں دُعا کا جوش پیدا ہوا اور آپؑ نے اس شعر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ اِس دُنیا میں بھی آپؐ کے درجات بلند کرے اور آخرت میں بھی۔ اور آپؐ پر ہمیشہ اپنی رحمت کی بارش نازل فرماتا رہے۔ اور درُود کا ذکر اس لئے بھی کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیجنے اور محبّت کرنے کے صلہ ہی میں آپؑ کو تمام برکاتِ رُوحانی عطا ہوئی ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل الہام کی تشریح میں جس میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیجنے کا حکم دیا تحریر فرماتے ہیں:

''صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ۔

اور درُود بھیج محمد اور آلِ محمد پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا اور خاتم الانبیاء ہے صلی اللہ علیہ وسلم یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب مراتب اور تفضّلات اور عنایات اسی کے طفیل سے ہیں اور اسی سے محبّت کرنے کا یہ صلہ ہے ۔ سُبحان اللہ ! اُس سرورکائنات کے حضرتِ احدیّت میں کیا ہی اعلیٰ مراتب ہیں اور کس قسم کا قرب ہے کہ اس کا محبّ خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اُس کا خادم ایک دنیا کا مخدوم بنایا جاتا ہے........ اِس مقام میں مجھ کو یاد آیا کہ ایک رات اِس عاجز نے اِس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل وجان اس سے معطّر ہو گیا۔ اُسی رات خواب میں دیکھا کہ (فرشتے) آبِ زُلال کی شکل پر نُور کی مشکیں اِس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں۔ اور ایک نے اُن میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تُو نے محمد کی طرف بھیجی تھیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(براہین احمدیہ حصّہ چہارم۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۹۷، ۵۹۸ حاشیہ درحاشیہ نمبر ۳)

۶۴۔ یَا سَیِّدِیْ قَدْ جِئْتُ بَابَکَ لَاھِفًا
وَ الْقَوْمُ بِالْاِکْفَارِ قَدْ اٰذَانِیْ

معانی الالفاظ۔ لَاھِفٌ ۔ بے بس۔ فریادی جو دادرسی کا خواہاں ہو۔ مظلوم۔ لَاھِفُ الْقَلْبِ۔ سوختہ دل۔ دل جلا۔

ترجمہ ۔اے میرے آقا !مَیں بے بس مظلوم فریادی بن کر تیرے دروازے پر حاضر ہوا ہوں بحالیکہ قوم نے مجھے کافر کہہ کر سخت ستایا ہے۔

شرح ۔غور کرو اُس شخص کے دل کی کیفیت کیا ہوگی جو ایک بار نہیں صد ہا بار اقرار کرتا ہے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ملا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نبی ہونے اور اسلام کے زندہ مذہب ہونے اور قرآن مجید کے زندہ کتاب ہونے کی دلیل ہے اور اس نے اپنی ساری زندگی خدمتِ اسلام اور دیگر مذاہب پر اس کی فوقیت اور برتری ثابت کرنے میں گزاری ہو لیکن پھر بھی وہ ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے آپ کو ’’محمّد‘‘ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں بے حد و بے نہایت ستایا گیا ۔لعنت و ملامت کے تیروں کا نشانہ بنایا گیا ۔کذّاب ومفتری و کافر ٹھہرایا گیا۔اُس کا نام دجّال اور شیطان رکھا گیا ۔مجلسوں میں نفرین کے ساتھ پکارا گیا۔ ہر ایک نے اُسے گالی دینا اجرِعظیم سمجھا۔آخر وہ اپنے محبوب سے شکوہ کرتا ہے کہ اے میرے محبوب !اِن لوگوں نے جو اپنے آپ کو تیری طرف منسوب کرتے ہیں میری حد درجہ تکفیر وتکذیب کی ہے۔اسلئے مَیں تیرے دربارِعالی سے دادرسی کا خواہاں ہوں۔

آپؑ کے وقت کے مشہور اکابر علماء کے چند فقرات ملاحظہ ہوں۔ جوانہوں نے اپنے فتووں میں ۱۸۹۱ء میں استعمال کئے ہیں۔

شیخ الکل مولوی سید نذیر حسین اور دیگر علماء نے لکھا:۔

’’مرزا قادیانی تیس دجّالوں میں سے ایک ہے جن کی خبر حدیث میں موجود ہے اور اس کے پیرو ذرّیاتِ دجّال ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے دجّال سے احتراز کریں۔ اور اس سے دینی معاملات نہ کریں جو اہلِ اسلام میں باہم ہونے چاہئیں۔ نہ اس کی صحبت اختیار کریں۔ نہ اس کی دعوت قبول کریں۔ نہ اس کے پیچھے اقتدا کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں...... وہ اور اس جیسے لوگ دین کے چور ہیں۔ اور دجّالین کذّابین ملعون شیاطین سے ہیں...... اس کذّاب قادیانی کے کفر میں کوئی شک نہیں وہ قطعاً کافر و مرتد ہے...... وہ بڑا بھاری دجال ہے...... وہ دائرہ اسلام سے خارج اور ملحد اور زندیق ہے...... وہ کافر ہے اور بدکردار ...... بدترین خلائق اور خدا کا دشمن ...... جو اس کے گمراہ ہونے میں شک کرے وہ بھی ایسا ہی گمراہ ہے۔ وہ کافر بلکہ اکفر ہے...... وہ اُس شیطان سے بھی زیادہ گمراہ ہے جو اس سے کھیل رہا ہے۔ اس کو مسلمانوں کی قبر میں دفن نہ کیا جائے...... وہ نبیوں کا دشمن ہے اور خدا اس کا دشمن ہے ...... جو شخص کادیانی کے موافق اعتقاد رکھتا ہے وہ بھی مردود ہے۔ مرزا کادیانی دجال اور مضل بلکہ دجاجلہ کا رأس رئیس ہے۔ اِن کی عورتوں کے نکاح باقی نہیں رہے جو چاہے ان سے نکاح کرسکتا ہے۔‘‘

(فتویٰ علمائے ہندوعرب وفتویٰ علمائے لدھیانہ۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۶ و ۷)

ابوسعید مولوی محمد حسین بٹالوی نے آپ کو سخت گالیاں دیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

’’اسلام کا چُھپا دشمن۔ مسیلمہ ثانی۔ دجّالِ زمانی۔ نجومی۔ رَملی

جوتشی۔ جفری ۔ بھنگڑ ۔ ارڑ پوپو ۔ مکّار ۔ جھوٹا ۔ فریبی ۔ ملعون ۔ اعورالدجال۔ بے ایمان۔ رُوسیاہ۔ ظلّام ۔ افّاک ۔ مفتری علی اللہ۔ موردِ ہزارلعنت۔ دہریہ۔ جہان کے احمقوں سے زیادہ احمق۔ جس کا خدا شیطان۔ یہودی۔ جس کی جماعت بدکردار۔ زانی۔ شرابی۔ حرامخور۔ اس کے پیروخرانِ بےتمیز۔'' وغیرہ۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۴، ۱۸۹۳ء)

آپؑ فارسی قصیدہ میں اِس تکفیر وتکذیب کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضوراس طرح کرتے ہیں۔

آنچہ ماراازدوشیخِ شوخ آزارے رسید — یارسول اللہ پرس از عالمِ ذوالاقتدار
حالِ ماؤ شوخیٔ ایں ہر دو شیخِ بد زبان — جملہ میداند خدائے حال دان و بُرد بار
نامِ من دجّال وضال وکافرے بنہادہ اند — نیست اندرزُعمِ شاں چوں من پلیدوزشت وخوار
ہیچ کس رابرمنِ مظلوم وغمگیں دل نہ سوخت — جز تو کاندر خوابہا رحمت نمودی بار بار

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۸)

یعنی ہمیں اِن دوموذی مولویوں (یعنی مولوی نذیرحسین دہلوی اورمحمد حسین بٹالوی) سے جوآزار پہنچے ہیں اے رسول اللہ! آپ اس کا حال بڑے اقتداروالےعلیم وخبیر سے پُوچھ لیجئے ہمارے حال اور اِن دونوں شیخوں کی شوخی سب کوواقف الحال وبُردبار خداخوب جانتاہے۔انہوں نے میرانام دجال وگمراہ اورکافررکھ چھوڑاہے۔اوران کے خیال میں میری طرح اورکوئی ناپاک، بداورذلیل نہیں۔ مجھ مظلوم اورغمگین کے لئے کسی کادل نہ جلاسوائے تیرے جس نےخوابوں میں مجھ پر باربارمہربانی فرمائی۔

۶۵- يَفْرِیْ سِهَامُكَ قَلْبَ كُلِّ مُحَارِبٍ
وَ يَشُجُّ عَزْمُكَ هَامَةَ الثُّعْبَانِ

معانی الالفاظ۔ يَفْرِیْ - فَرِیْ سے مضارع کا صیغہ ہے۔اس نے کاٹا یا چیرا۔يَشُجُّ -زخمی کرتا ہے یا پھوڑتا ہے۔ هَامَةٌ -کھوپری یا جثّہ۔
اَلثُّعْبَانُ -اژدہا۔سانپ نر و مادہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اس کی جمع ثعابین ہے۔

ترجمہ۔ تیرے تیر ہر محارب کے دل کو چیرتے ہیں اور تیرا عزم اژدہے کے سر کو کچل ڈالتا ہے۔

شرح۔ اِس شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپؐ کا تعلق اس قسم کا ہے کہ آپؐ کا کوئی دشمن سزا سے نہیں بچ سکتا۔ مجھے کافر کہنے والے اور آپؐ کا دشمن قرار دینے والے اگر صادق ہیں تو مَیں تباہ ہو جاؤں گا لیکن اگر وہ میری تکفیر و تکذیب میں جھوٹے ہیں اور مَیں تیرا عاشقِ صادق ہوں تو تیری عنایات و توجّہات انہیں بے سزا نہیں چھوڑیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔آج ان مکفّرین علماء کا کوئی نام لیوا نہیں۔وہ دنیا سے ایسے مٹ گئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔مولوی محمد حسین بٹالوی جس نے تکفیر کا بیڑا اٹھایا تھا اور علمائے پنجاب و ہندوستان سے شہر بہ شہر جا کر فتویٰ تکفیر حاصل کیا تھا

اُسے اللہ تعالیٰ نے حد درجہ ذلیل کیا۔حضرت امام جماعتِ احمدیہ تفسیر کبیر میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

’’انہوں نے ایک دفعہ بڑی تعلّی کے ساتھ کہا تھا کہ مَیں نے ہی مرزا صاحب کو اونچا کیا تھا اور اب مَیں ہی ان کو نیچے گراؤں گا۔مگر اس کے بعد انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو کیا گرانا تھا خود ہی ذلیل ہوتے گئے یہاں تک کہ اُن کے دو بیٹے بھاگ کر قادیان میں میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارا باپ اتنا بے غیرت ہے کہ وہ ہمیں کہتا ہے ہم کسی یتیم خانہ میں داخل ہوجائیں۔وہ ہمیں ہر وقت مارتا پیٹتا ہے اور ہم سے ذلیل کام لیتا ہے۔ہم اب اُس کے پاس نہیں رہنا چاہتے۔ مَیں نے ان دونوں کا وظیفہ لگا دیا اور انہیں قادیان میں تعلیم دلائی۔مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ اِس میں میری بڑی ذلّت ہے اِن کو قادیان سے نکال دیں۔مگر مَیں نے کہا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ میرے پاس مدد کے لئے آئیں اور مَیں اُن کو نکال دوں۔اس کے بعد وہ دونوں احمدی ہو گئے۔اور آخر مولوی صاحب زور دے کر اُن کو واپس لے گئے۔مگر پھر بھی اُن سے ایسا سلوک کیا کہ اُن میں سے ایک تو مر گیا ہے اور دوسرا عیسائی ہوگیا اور اب تک زندہ ہے اور ریاست میسور میں کاروبار کرتا ہے۔‘‘

(تفسیر کبیر۔تفسیر سورۃ الغاشیہ زیر آیت ۵)

مکفّر علماء کے جاہ وجلال اور شان وشوکت کا فتویٰ کفر دینے کے بعد سے لے کر ان کے فوت ہونے تک جو حشر ہوا وہ دنیا دیکھ چکی ہے۔اور احمدیت کے خلاف ان کی ساری کوششوں کے رائیگاں جانے کا تو احمدیت کے اشد ترین دشمنوں کو بھی علی الاعلان اقرار کرنا پڑا ہے۔لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا میں عزّت کے ساتھ شہرت دی اور آپؑ کی جماعت کو فوق العادت ترقی عطا فرمائی ۔ وہ آج اکنافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے ۔ واشنگٹن ، شکاگو، اور دیگر امریکن ریاستوں اور شہروں میں،لنڈن اور دیگر یورپین مما لک میں،افریقہ اور ایشیا کے مختلف بلاد میں پائی جاتی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔

۶۶- لِلّٰهِ دَرُّكَ يَا اِمَامَ الْعَالَمِ
اَنْتَ السَّبُوْقُ وَ سَيِّدُ الشُّجْعَانِ

ترجمہ۔آفرین اے پیشوائے عالم! تُو سب سے آگے بڑھا ہوا ہے اور تمام بہادروں کا سردار ہے۔(تشریح کے لئے دیکھو شعر نمبر ۹)

۶۷- اُنْظُرْ اِلَيَّ بِرَحْمَةٍ وَّ تَحَنُّنٍ
يَا سَيِّدِيْ اَنَا اَحْقَرُ الْغِلْمَانِ

معانی الالفاظ ۔ تَحَنُّنٌ ۔ ترحّم ۔شفقت۔

ترجمہ۔ مجھ پر رحم اور محبّت وشفقت کی نظر کیجئے۔ اے میرے آقا! مَیں ایک ناچیز غلام ہوں۔

۶۸- يَا حِبِّ اِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّةً
فِيْ مُهْجَتِيْ وَ مَدَارِكِيْ وَ جَنَانِيْ

معانی الالفاظ۔ اَلْمُهْجَةُ ۔خون۔خونِ دل۔ مُهْجَةُ كُلِّ شَيْءٍ۔ ہر چیز کا خالص اور بہترین حصّہ۔اس کی جمع مُهَجٌ اور مُهَجَاتٌ ہے۔ مَدَارِكُ۔ حواس، اور وہ پانچ ہیں۔ جَنَانٌ۔دل۔

ترجمہ۔ اے میرے پیارے! تیری محبت میرے خون میں، میری جان میں، میرے حواس اور میرے دل میں رچ گئی ہے۔

شرح۔ اِس شعر میں کمال محبّت کا اظہار کیا گیا ہے اور اس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کی محبت تصنّع اور تکلّف سے نہیں بلکہ طبعی اور اَتم اور اَکمل درجہ کو پہنچی ہوئی ہے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدّتِ جذبِ محبّت سے آپ کے دل اور آپ کی جان اور آپ کے رگ و ریشہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ سچی محبّت کرنے والا اپنے محبوب میں فنا ہو جاتا ہے اور ایسی تصویر اس کی اپنے اندر کھینچتا ہے کہ گویا اُسے پی جاتا ہے یا کھا جاتا ہے یا اُسے اپنے وجود میں داخل کر لیتا ہے۔ یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبّت کا ہے اور آپ کی یہی محبّت خدا تعالیٰ کو پسند آئی کہ آپ کو

اس زمانہ میں احیائے دین کی خدمت پر مامور کیا گیا۔آپ فرماتے ہیں کہ:۔

’’ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنے یہ تھے کہ ملاءِ اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں ۔یعنی ارادۂ الٰہی احیاءِ دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاءِ اعلیٰ پر شخص محیی کی تعیّن ظاہر نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہے ۔اسی اثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک محیی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اِس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اُس نے کہا ’’هٰذَا رَجُلٌ يُحِبُّ رَسُوْلَ اللهِ۔‘‘ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبّت رکھتا ہے اور اِس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرطِ اعظم اِس عہدہ کی محبّتِ رسول ہے۔سو وہ اس شخص میں متحقق ہے۔‘‘

(براہین احمدیہ حصّہ چہارم روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۵۹۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

ایک اور عربی قصیدہ میں آپؑ فرماتے ہیں:۔

اَنْتَ الَّذِيْ شَغَفَ الْجَنَانُ بِحُبِّهٖ اَنْتَ الَّذِيْ كَالرُّوْحِ فِيْ حَوْبَائِيْ

اَنْتَ الَّذِيْ بِوِدَادِهٖ وَ بِحُبِّهٖ اُيِّدْتُ بِالْاِلْهَامِ وَ الْاِلْقَآءِ

تُو وہ ہے جس کی محبّت سے میرا دل معمور ہے۔تُو میری جان میں بمنزلہ رُوح کے ہے۔تُو وہ ہے جس کی محبّت والفت کے باعث مَیں الہام اور القاء الٰہی سے تائید کیا گیا ہوں۔

۶۹- مِنۡ ذِكۡرِ وَجۡهِكَ يَا حَدِيۡقَةَ بَهۡجَتِيۡ
لَمۡ اَخۡلُ فِيۡ لَحۡظٍ وَّ لَا فِيۡ اٰنٖ

معانی الالفاظ۔ اَلۡبَهۡجَةُ ۔حسن۔تروتازگی۔خوشی یا ظہورخوشی۔

ترجمہ۔ تیرے منہ کی یاد سے اے میرے مسرّت کے باغ مَیں ایک آن اور ایک لحظہ بھی فارغ نہیں ہوتا۔

شرح۔ اِس شعر میں مشہور مثل "مَنۡ اَحَبَّ شَيۡئًا اَكۡثَرَ ذِكۡرَهٗ" کہ انسان کو جس چیز سے محبّت ہو اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شدّتِ محبّت کا اظہار کیا ہے۔

۷۰- جِسۡمِيۡ يَطِيۡرُ اِلَيۡكَ مِنۡ شَوۡقٍ عَلَا
يَا لَيۡتَ كَانَتۡ قُوَّةُ الطَّيَرَانِ

ترجمہ۔ میرا جسم شوقِ غالب کے سبب تیری طرف اُڑنا چاہتا ہے۔کاش مجھ میں قوّتِ پرواز ہوتی!

شرح۔ اِس شعر میں مصنّفِ قصیدہ نے اپنی وفورِ محبّت اور کمالِ عشق کا نہایت خوش اسلوبی سے اظہار فرمایا ہے۔فرماتے ہیں اگرچہ رُوح کو رُوح سے

مناسبت ہے اور میری اور میرے محبوب کی مثال یک جان و دو قالب کی ہے لیکن یہ مادی قالب بھی غلبۂ محبّت و جوشِ عشق سے اُڑنا چاہتا ہے تا وہ اپنے محبوب کے قالب سے متحد ہو جائے۔ کاش اُسے قوّتِ پرواز حاصل ہوتی! اِسی مضمون کو آپ نے ایک فارسی قصیدہ میں یُوں ادا کیا ہے ۔

مے پریدم سُوئے کُوئے او مدام
من اگر مے داشتم بال و پرے

اگر میرے پَر ہوتے تو مَیں اُس کے کُوچہ کی طرف ہمیشہ اُڑتا رہتا۔

حُسن الختام

اِس قصیدہ کے آخری اشعار حسنِ خاتمہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ آپؑ نے ابتدائے قصیدہ میں بجائے اظہارِ محبّت اپنے محبوب کے اوصاف عالیہ و کارہائے جلیلہ اور کمالات کا ذکر کر کے یعنی بواعثِ محبّت بیان کر کے آخر میں اپنی محبّتِ غیر فانی کا ذکر فرمایا ہے اور ایسے رنگ میں قصیدہ کو ختم کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا کہ آپؑ کی زندگی کا ہر لمحہ محبّتِ رسولؐ میں گزر رہا ہے اور آپ عالَمِ محبّت کی ناپیدا کنار فضاؤں اور حدود فراموش وسعتوں میں محوِ پرواز ہیں۔

اعتذار

اِس قصیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کمالات اور اوصافِ عالیہ کا ذکر پایا جاتا ہے اس کی تفصیل اس مختصر شرح میں بیان کرنا ممکن نہ تھا، اس لئے مَیں اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جو شرح کا حق تھا وہ نہ مجھ سے ادا ہوا ہے اور نہ ادا ہو سکتا ہے۔ مگر جس قدر لکھا بھی گیا ہے وہ بھی محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ہے جس نے مجھے بیماری کی حالت میں اس کی توفیق بخشی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَ فَّقَنِیْ لِھٰذَا ۔

آخری بات

جو میں لکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کا خلاصہ اور لُبِّ لُباب کلمہ طیّبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی توحیدِ الٰہی اور رسالتِ محمدؐیہ ہے۔ کلمہ طیّبہ کی پہلی جُز جو توحیدِ الٰہی پر مشتمل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جس رنگ میں اس کا ظہور ہوا اور جس طرح توحید الٰہی کی تعلیم پر آپؐ نے زور دیا اور اپنے قول و فعل سے خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا اظہار کیا اس کی نظیر پہلے کسی نبی میں نہیں ملتی۔ آپؐ نے کھاتے پیتے، آتے جاتے، سوتے جاگتے، لباس پہنتے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا۔ آپؐ کو آبشاروں کے گرنے، بجلیوں کے چمکنے، بادلوں کے گرجنے، آندھیوں کے طوفانوں اور بارشوں کے سیلابوں، دریاؤں اور سمندروں کے اُتار چڑھاؤ، زمین کے جھٹکوں اور زلزلوں سے پہاڑوں کے لرزنے میں خدائے واحد کا جلال نظر آتا تھا۔ توحیدِ الٰہی کی خاطر آپؐ نے سارے عرب کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ آپؐ

نے اِس رنگ میں توحیدِ الٰہی کی اشاعت کے لئے قربانیاں کیں کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ آپؐ کی نماز اور آپؐ کی ہر قسم کی قربانیاں اور آپؐ کی زندگی اور آپؐ کی موت سب خدائے ربّ العالمین کے لئے تھیں اور دوسری طرف آپؐ کے مخالفوں نے بھی اعتراف کیا'' قَدْ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ '' کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے ربّ کے عاشقِ زار ہیں۔ لیکن کلمہ کی دوسری جُز جو رسالتِ محمدؐیہ پر مشتمل ہے جس میں ''محمد'' نام کا ذکر ہے جس کے معنے ہیں کثرت سے تعریف کیا گیا اس میں جو حقیقت پائی جاتی ہے اس کا کامل ظہور اِس زمانہ میں مقدّر تھا۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پادریوں اور مغربی فلاسفروں کی طرف سے اور آریوں کی طرف سے ہر قسم کے ناپاک حملے اور گندے اعتراضات کئے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ''محمدؐ'' کی تعریف اور آپ پر حملہ کرنے والوں کے مقابلہ کے لئے آپؐ کے روحانی فرزند حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام مصنّفِ قصیدہ ھٰذا کو مبعوث فرمایا تا دنیا سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کیسی عظمت وشان عطا فرمائی ہے اور کیسا عالی مرتبہ نبی بنایا ہے۔ تا دنیا کو معلوم ہو جائے کہ آپ اس کے کتنے بڑے محسن ہیں اور آپ کو قبول کرنے اور آپؐ کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے میں کیا کیا فوائد ہیں۔ تا دنیا پر کُھل جائے کہ قربِ الٰہی جس پر فلاحِ اخروی موقوف ہے صرف آپؐ کی پیروی سے حاصل ہوسکتا ہے اور تا یہ امر دُنیا کے ذہن نشین ہو جائے کہ آپ دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہیں اور پھر دنیا آپ کی تعریفوں سے ایسی بھر جائے جیسا کہ پانی سے سمندر۔

چنانچہ بانئ سلسلۂ احمدیہ اپنی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ’’تریاق القلوب‘‘ صفحہ ۷ میں رقمطراز ہیں:۔

’’اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو! اور اے تمام وہ انسانی رُوحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! مَیں پُورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف **اسلام** ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدّس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اُس کی پیروی اور محبّت سے ہم رُوح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔‘‘

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۱۴۱)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

جلال الدین شمسؔ

بمقام کوئٹہ

۸ر ستمبر ۱۹۵۶ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قصیدۃ [1]

اَلۡقُرۡاٰن الۡعَظِیۡمُ وَ اَصۡحَابُ النَّبِیِّ الۡکَرِیۡمِ

قصیدہ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قصیدہ کی جس کی مَیں نے شرح لکھی ہے برکات کا ثمرہ ہے۔

(خاکسار جلال الدین شمسؔ)

اِنۡ شِئۡتَ بَحۡرَ الۡعِلۡمِ وَ الۡعِرۡفَانِ ۔۔۔ فَاقۡرَأۡ کِتَابَ اللّٰہِ بِالۡاِمۡعَانِ
اگر تُو علم وعرفان کے سمندر کا خواہاں ہے ۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو غور سے پڑھ

سِفۡرٌ کَرِیۡمٌ کَامِلٌ وَ مُکَمَّلٌ ۔۔۔ فَرۡدٌ وَ لَمۡ یُوۡجَدۡ لَہٗ مِنۡ ثَانِیۡ
وہ ایک قابلِ قدر صحیفہ اور کامل ومکمّل کتاب ہے ۔۔۔ یگانہ ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

نُوۡرٌ مُبِیۡنٌ سَاطِعٌ مِنۡ رَّبِّنَا ۔۔۔ ضَوۡءٌ مُضِیۡئٌ سَائِرَ الۡبُلۡدَانِ
وہ ہمارے رب کی طرف سے ایک روشن بلند نور مبین ہے ۔۔۔ اور ایک ایسی عظیم الشان روشنی ہے جو تمام شہروں کو روشن کر رہی ہے

تَاجُ الۡھُدٰی فَخۡرُ الشَّرَائِعِ کُلِّھَا ۔۔۔ وَ الۡحَقُّ کُلُّ الۡخَیۡرِ فِی الۡقُرۡاٰنِ
وہ ہدایت کا تاج اور تمام شریعتوں کا فخر ہے ۔۔۔ اور حق بات یہ ہے کہ سب خیر قرآن میں ہے

---

[1] یہ قصیدہ مَیں نے نومبر ۱۹۵۱ء میں لکھا تھا اور الفضل جلسہ سالانہ نمبر اور رسالہ الفرقان ماہ دسمبر ۵۱ء میں شائع ہوا تھا۔

كَالسِّمْطِ تَبْدُوْا اٰيُهٗ مَنْظُوْمَةً | اَلْفَاظُهٗ كَالدُّرِّ فِي اللَّمَعَانِ
اس کی آیتیں سلک مروارید کی طرح پروئی ہوئی ہیں | اس کے الفاظ چمک ودمک میں موتیوں کی مانند ہیں

اٰيَاتُهٗ تُلْفِيْ اِذَا دَبَّرْتَهَا | بَحْرَ الْحَقَائِقِ مَنْبَعَ الْعِرْفَانِ
اس کی آیات میں اگر تُو غور کرے گا | تو انہیں حقائق کا سمندر اور عرفان کا سرچشمہ پائے گا

فِيْ لَيْلَةٍ ظَلْمَاءَ كَانَ نُزُوْلُهٗ | اَرْخَتْ سُدُوْلَ الْغَيِّ وَالطُّغْيَانِ
اس کا نزول ایک شبِ تاریک و تار میں ہوا | جس نے گمراہی اور طغیان کے پردے ڈالے ہوئے تھے

اَلْعُرْبُ مِنْ ظُلْمٍ وَ مِنْ جَهْلٍ غَدَتْ | مِثْلَ السِّبَاعِ بِهَيْكَلِ[1] الْاِنْسَانِ
عرب لوگ ظلم و جہالت کی وجہ سے | انسان کی شکل میں درندے بنے ہوئے تھے

كَانَتْ كَخَافِيَةِ الْغُدَافِ قُلُوْبُهُمْ | مِنْ كَثْرَةِ الْاٰثَامِ وَ الْعِصْيَانِ
ان کے دل کالے کوّے کے پَروں کی طرح | گناہوں اور نافرمانی کی کثرت سے سیاہ ہو رہے تھے

كَانُوْا كَغَرْقٰى فِيْ هَوَاءِ نُفُوْسِهِمْ | وَ اللَّهْوِ بِالنُّدَمَاءِ وَ النِّسْوَانِ
وہ خواہشاتِ نفسانی اور عورتوں اور | رندانِ بادہ خوار کے ساتھ لہوولعب میں غرق تھے

صَارُوْا كَاَنْعَامٍ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ | مَذْكُوْرَةٌ فِيْ سُوْرَةِ الْفُرْقَانِ
اُن میں سے اکثر مواشی کی مانند ہو چکے تھے | جیسا کہ سورۃ فرقان میں مذکور ہے

زَالَ الْعَمٰى بَعْدَ الْهُدٰى مِنْ قَلْبِهِمْ | وَ تَشَبَّثُوْا بِالْقِسْطِ وَ الْمِيْزَانِ
اُن کے دلوں سے ہدایت پانے کے بعد اندھاپن جاتا رہا | اور انہوں نے انصاف اور میزان پر مضبوطی سے پنجہ مارا

نَقُّوْا بِمَاءِ الْوَحْيِ جَذْرَ جَنَانِهِمْ | مِنْ رِجْسِ اَوْثَانٍ وَ مِنْ اَضْغَانِ
انہوں نے وحی کے پانی سے اپنے دلوں کو | بُتوں کی ناپاکی اور کینوں سے صاف کیا

۱؎ اَوْ بِصُوْرَةِ۔

فَاقُوا الْوَرٰی دُنْیَا وَ دِیْنًا کُلُّھُمْ لَمَّا اَتَوْا بِاَوَامِرِ الْقُرْاٰنِ

وہ سارے دنیا و دین میں باقی مخلوق پر فوقیت لے گئے جب وہ قرآن کے احکام کو بجالائے

وَ اطَّھَّرُوْا حَتّٰی تَبَرَّاَ کُلُّھُمْ مِنْ کُلِّ نَوْعِ الذَّنْبِ وَ الْعِصْیَانِ

وہ گناہوں سے ایسے پاک ہوئے کہ اُن میں سے ہر ایک ہر قسم کے گناہ و معصیت سے بیزار ہو گیا

ھُمْ جَاھَدُوا الْکُفَّارَ طُوْلَ نَھَارِھِمْ وَ اللَّیْلَ بَاتُوْا طَالِبِی الْغُفْرَانِ

وہ دن کو کفار سے جہاد کرتے اور رات خدا تعالیٰ سے استغفار کرتے گزارتے

زَکُّوْا نُفُوْسَھُمْ فَکَانَ فُؤَادُھُمْ کَالْکَوْکَبِ الدُّرِّیِّ فِی اللَّمَعَانِ

انہوں نے اپنی جانوں کو ایسا پاکباز بنایا کہ اُن کے دل چمک دمک میں روشن ستاروں کی مانند ہو گئے

حَازُوا الْمَکَارِمَ وَ الْفَضَائِلَ جُمَّۃً مَا حَازَھَا جِیْلٌ مِّنَ الْاِنْسَانِ

انہوں نے کثرت سے فضیلتوں اور مکارم کو حاصل کیا جن کو انسانوں کی کوئی جماعت نہ حاصل کر سکی تھی

وَ اسْتَمْسَکُوْا بِالذِّکْرِ حَتّٰی جَاءَھُمْ وَحْیٌ یُبَشِّرُھُمْ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

انہوں نے قرآن مجید کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ اُن کے پاس خدائے رحمٰن سے بشارت دینے والی وحی آئی

اَجْرٌ وَّ مَغْفِرَۃٌ لَھُمْ مِنْ رَّبِّھِمْ طُوْبٰی لَھُمْ فَضْلًا مِّنَ الْمَنَّانِ

کہ اُن کے لئے اُن کے رب کی طرف سے اجر اور مغفرت ہے اور اُن کے لئے خدائے منّان سے طوبیٰ یعنی ہر قسم کی خیر ہے

نَالُوْا مِنَ الرَّحْمٰنِ کُلَّ کَرَامَۃٍ فَازُوْا بِفَضْلِ اللہِ وَ الرِّضْوَانِ

انہوں نے خدائے رحمٰن سے ہر قسم کی عزت پائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا کو حاصل کیا

طَارُوْا بِاَمْرِ نَبِیِّھِمْ فِی الْعَالَمِ مِثْلَ الْحَمَائِمِ حَامِلِی الْقُرْاٰنِ

وہ اپنے نبی کے حکم سے قرآن مجید اُٹھائے کبوتروں کی مانند اُڑے اور ساری دنیا میں پھیل گئے

رَبَّی النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ اَصۡحَابَہٗ بِتَحَنُّنٍ کَالۡاُمِّ لِلۡوِلۡدَانِ
محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی ماں کی مانند نہایت شفقت اور محبت کے ساتھ اپنے صحابہؓ کی پرورش کی

ھُمۡ اِقۡتَدَوۡا بِمُحَمَّدٍ خَیۡرِ الۡوَرٰی عَیۡنِ الۡھُدٰی ذِی الۡحُسۡنِ وَ الۡاِحۡسَانِ
انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی جو بہترین خلائق چشمۂ ہدایت اور صاحبِ حسن و احسان ہیں

یَا رَبِّ صَلِّ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ
اے میرے ربّ! تُو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیج

خَیۡرِ الۡخَلَائِقِ مَھۡبَطِ الۡقُرۡاٰنِ
جو سب مخلوقات سے افضل اور بہتر ہیں جن پر قرآن اُترا تھا